هَذَا بَلاغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الأَلْبَابِ○ النحل(٥٢)



شرعی دورہ

(اردو)

حصہ سوم

جہاد کے مقاصد و فوائد

نظم اور نظام

امیر اور امارت

غنیمت

بیت المال

تنبیہات

الشیخ گل محمد حفظہ اللہ

مجاہدین اور عام مسلمانوں کے لئے بہترین تحفہ

گھروں اور مراکز میں تعلیم کیلئے ایک بہترین نصاب

افراط وتفریط سے پاک عام فہم اور مدلل

(هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (النحل:۵۲)۔

شرعی دورہ

حصہ سوم

(جہاد کے مقاصد و فوائد، نظم اور نظام، امیر اور امارت، غنیمت، بیت المال اور اسکے مصارف، تنبیہات)

الشیخ گل محمد حفظہ اللہ

- مجاہدین اور تمام مسلمانوں کے لیے ایک بہترین تحفہ
- گھروں اور مراکز میں تعلیم کے لیے ایک بہترین نصاب
- افراط و تفریط سے پاک عام فہم اور مدلل

مکتبۂ عمر

web: www.umarmediattp.co email: umar.media.ttp@protonmail.com

بسم الله الرحمن الرحيم

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست

پیش لفظ

پیش لفظ

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونو علی الاثم والعدوان

امابعد!

زیرِ نظر کتاب شیخ گل محمد حفظہ اللہ کی پشتو کتاب "شرعی دورہ" کے اردو ترجمے کا تیسرا حصہ ہے۔ جس وقت اس کا ترجمہ شروع کیا گیا تو ارادہ تو یہی تھا کہ پوری کتاب کا ترجمہ جلد سے جلد مکمل کرکے پوری کتاب ایک ہی جلد میں شائع کی جائے، لیکن مختلف مصروفیات اور کاموں کی بناء پر ترجمے کا کام کافی سستی کا شکار رہا۔ ساتھ ہی ساتھ کچھ ساتھیوں کی طرف سے بار بار ترجمہ کا اصرار اور مطالبہ کیا جاتا رہا۔ ان مخلص حضرات کی خواہش اور لگن کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ کتاب کو چند حصوں میں تقسیم کردیا جائے اور جس حصے کا ترجمہ مکمل ہوجائے وہ شائع کردیا جائے۔

اسی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اب تک اس کتاب کے ترجمہ کے دو حصے شائع ہوچکے ہیں جو کہ ہماری ویب سائٹ سے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ پہلا حصہ "اخلاص" کے موضوع پر ہے۔ دوسرے حصے کے موضوع "عقیدہ و نظریہ، نواقضِ ایمان، موانعِ تکفیر، تولی اور موالات" ہیں۔

اس کتاب کو نشر کرنے، چھاپنے اور تقسیم کرنے کی ہر شخص کو عام اجازت ہے، بلکہ ہماری قارئین سے گذارش ہے کہ کتاب کی تشہیر میں اپنا بھرپور حصہ ڈالیں اور اس کارِ خیر میں شریک ہوجائیں، اور جو صاحبِ خیر اسے چھاپنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو یقینا یہ ان کے لیے ایک بڑا صدقہ جاریہ اور اللہ کے دین کے نفاذ کی ایک بڑی کوشش ہوگی۔

اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ وہ اس کتاب کو اپنے دربارِ عالی میں قبول و منظور فرمائیں اور ہمارے لیے نجات و کامیابی کے حصول کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

جمادی الاول ۱۴۴۱

جنوری ۲۰۲۰

جہاد کے مقاصد و فوائد

جہاد کے مقاصد و فوائد

جہاد کے مقاصد، اغراض، اہداف، فائدے اور ثمرے و نتیجے بہت زیادہ ہیں۔ بعض مجاھدین کے دل میں یہ شیطانی وسوسہ آتا ہے کہ ہمارے اس جہاد کا کوئی نتیجہ نہیں ہے ،یا یہ کہ اس جہاد کا کیا نتیجہ نکلا۔ یہی وسوسہ مجاھدین کے علاوہ دیگر مسلمانوں کے دلوں میں بھی آتا ہے۔ بعض منافقین بھی یہی اعتراج کرتے ہیں کہ ان جنگوں کا کیا فائدہ ہوا۔

جہاد کے فائدے اور نتیجے بہت زیا دہ ہیں۔ کبھی تمام فائدے اور نتیجے حاصل ہوجاتے ہیں ، کبھی اکثر نتائج حاصل ہوجاتے ہیں اور کبھی انسان کو بعض نتائج ہی حاصل ہوپاتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ شرح المھذ ب میں فرماتے ہیں کہ اگر جہاد کا کوئی اور دوسرا فائدہ نہ ہوتا اور صرف یہ ایک فائدہ ہوتا کہ اس کے ذریعے ایک گناہ معاف ہوجاتا تو یہ بھی پورا تھا۔ حالاں کہ جہاد سے صرف ایک گناہ نہیں بلکہ تمام گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔

جہاد کے چوالیس فائدے:

پہلا فائدہ: اعلاء کلمتہ اللہ کا حصول

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (البقرۃ:۱۹۰)

"اور لڑو اللہ تعالی کی راہ میں ۔"

فی سبیل اللہ کی تفسیر حدیث میں یہ کی گئ ہے :

مَن قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله

"جو شخص اس لیے جنگ کرے کہ اللہ تعالی کا کلمہ بلند ہوجائے تو یہ اللہ تعالی کی راہ میں ہے۔"

دوسرا فائدہ: کافروں کے ظلم اور وحشت کا جواب اور انتقام

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ (البقرۃ:۱۹۰)

"اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑیں۔"

یعنی ان کی جنگ اور ظلم کے مقابلے میں جنگ کرو۔

یہ مضمون بہت سی آیتوں میں مختلف الفاظ سے ذکر ہوا ہے، جیسے :

فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ (البقرۃ:۱۹۱)

"سو اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو۔"

یا جیسے:

فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَيْكُمْ (البقرۃ:۱۹۴)

"سو جو زیادتی کرے تمھارے ساتھ تو تم بھی اسی کی مثل زیادتی کر سکتے ہو۔"

یا جیسے فرمایا:

وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ (البقرۃ:۱۹۱)

"اور نکالو ان کو اس جگہ سے جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا۔"

کہیں فرمایا:

وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (التوبۃ:۱۳)

"انہوں نے پہل کی ہے تم پر۔"

کہیں فرمایا:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (الحج:۳۹)

"اجازت دی گئی ہے ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جاتی ہے کیوں کہ وہ مظلوم ہیں۔"

جیسا کہ آج کل امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے مسلمانوں پر جنگ مسلط کی ہوئی ہے اور مسلمانوں پر مختلف ظلم ڈھائے جاتے ہیں، ان کا قتلِ عام کیا جاتا ہے، ہجرت پر مجبور کیا جاتا ہے، جیلوں میں مختلف طریقوں سے تکلیف دی جاتی ہے۔

کشمیر میں ہندو ظلم کر رہے ہیں، چیچنیا میں روس وحشیانہ حملے کرتا ہے، فلسطین میں اسرائیل قتلِ عام کر رہا ہے اور بیت المقدس پر قابض ہے، برما میں بت پرست مسلمانوں کا قتل عام اور ملک بدری کر رہے ہیں، بوسنیا اور کوسوو میں ظالم صربی بڑے بڑے حملے کرتے ہیں، فلپائن میں صلیبیوں کی طرف سے ظلم جاری ہے۔ چناں چہ جہاد اس لیے ہے کہ ان سے انتقام لیا جائے اور ان کے ظلم کا جواب دیا جائے۔

تیسرا فائدہ: فتنے کا خاتمہ

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (البقرۃ:۱۹۳)

"اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ بچے۔"

اس آیت میں "حتی" "کئی" کے معنی میں ہے۔ فتنے کے کئی معنی آتے ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ مؤمن کو زبردستی

ایمان سے پھیرنا، جیسا کہ آج کل مؤمنوں سے زور زبردستی کی جاتی ہے کہ تم نے جہاد کیوں کیا اور تم نے مجاھدین کا ساتھ کیوں دیا۔ لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ مجاھدین کو جگہ نہ دینا، کھانا پینا نہ دینا۔ بعض دکان داروں کو اس لیے سزا دی گئی کہ تم نے مجاھد کو سودا کیوں بیچا، ڈاکٹر سے پوچھا جاتا ہے کہ تم نے مجاھد کا علاج کیوں کیا؟ مجاھدین پر پابندیاں لگاتے ہیں کہ مرکز نہیں بناؤگے، تربیتیں نہیں کراؤگے، ایف ایم پر دعوت نہیں چلاؤگے، منکرات کو نہیں روکوگے، ملک کے قانون کو چیلنج نہیں کروگے وغیرہ۔

جس علاقے میں مجاھدین تربیت و دعوت اور محنت شروع کرتے ہیں تو وہ اس علاقے میں اپنی توجہ بڑھادیتے ہیں، وہاں ظلم و زیادتی کا بازار گرم کردیتے ہیں۔ ٹینکوں، توپوں اور فوجوں کے ذریعے اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لشکر کشی شروع کردیتے ہیں۔ عوام پر اپنا رعب جماتے ہیں، تاکہ وہ مجاھدین کا ساتھ نہ دیں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تربیتیں اور اسلامی دعوت بند ہوجاتی ہے۔ لوگوں میں بےپردگی عام ہوجاتی ہے، ڈاڑھی منڈانا اور ناچ گانا عام ہوجاتا ہے۔چناں چہ جہاد کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی یہ زور زبردستی ختم ہوجائے اور لوگ گمراہ نہ ہوں۔

فتنے کا دوسرا معنی شرک ہے۔ یعنی جہاد کرو تاکہ فتنہ ختم ہوجائے، جیسا کہ آج کل جگہ جگہ شرک کے اڈے موجود ہیں،حکومتی سرپرستی میں شرکیہ درگاہیں چل رہی ہیں۔ شرک فی الحاکمیت عام ہے، اللہ کی بدگی کی جگہ مخلوق کی بندگی کی جارہی ہے، امریکہ اور بے دین حکمرانوں اور افسروں کی بندگی کی جارہی ہے، اور اس کا عذر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہم مجبور ہیں، ہم پر اوپر سے زور ہے۔چناں چہ جہاد اس لیے ہوتا ہے کہ شرک کے اڈے اور مرکز ختم ہوجائیں۔

چوتھا فائدہ: اسلامی قانون کا نفاذ

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (اور اللہ کے دین کا زور ہوجائے)

اس سے مراد دوسرے دینوں پر دینِ اسلام کا غلبہ ہے۔ آج کل ہر جگہ کفری نظام ہیں، کسی ایک جگہ بھی اسلامی قانون اور اسلامی نظام نہیں ہے۔ چناں چہ جہاد اس لیے کیا جاتا ہے کہ اسلامی قانون نافذ اور کفری قانون ختم ہوجائے۔

پانچواں فائدہ: شر اور فساد کا خاتمہ

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (البقرۃ: ۲۵۱)

"اور اگر اللہ تعالی لوگوں کے ذریعے دوسرے لوگوں کو دور نہ کرتے تو ضرور بالضرور زمین میں فساد ہوجاتا۔"

یعنی اگر اللہ تعالی مسلمانوں کے ذریعے کافروں کو دور نہ کرتے تو زمین میں شر اور فساد پھیل جاتا۔

چھٹا فائدہ: اسلامی سرزمینوں کی کفار سے آزادی

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَاَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ اَخۡرَجُوۡكُمۡ (البقرۃ: ۱۹۱)

"اور نکالو ان کو اس جگہ سے جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا۔"

جب کفار مسلمانوں کی زمین اور ملکوں پر قبضہ کرلیں تو مسلمانوں پر اس زمین اور ملکوں کا آزاد کرانا فرض ہوجاتا ہے، اور جب نزدیک کے مسلمان کفار کے مقابلے سے عاجز ہوجائیں یا جہاد نہ کریں تو تمام مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہوجاتا ہے۔

جیسا کہ اندلس (جسے آج کل سپین یا ہسپانیہ کہا جاتا ہے) میں مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو سال حکومت کی اور پھر اس پر صلیبیوں نے قبضہ کرلیا۔ چناں چہ اندلس کی آزادی کے لیے بھی ہم پر جہاد فرض ہے۔ اسی طرح ہندوستان کی پوری زمین جیسے کشمیر، حیدرآباد، آسام، نیپال، بہار وغیرہ، یہ سب اِمارتِ اسلامیہ کا حصہ تھا، جس میں اسلامی حکومت تھی۔ آج کل ان ملکوں میں ہندوؤں کا قبضہ ہے۔ اس کی آزادی کے لیے بھی جہاد فرضِ عین ہے۔

اسی طرح پاکستان کا بہت سا حصہ جیسے کراچی سے ملتان تک محمد بن قاسم کے دور میں فتح ہوا تھا اور اِمارتِ اسلامیہ کا حصہ تھا۔ آج کل اس میں انگریزوں کا قانون نافذ ہے اور مرتد حکمران اس پر قابض ہیں۔

اسی طرح افغانستان کا ایک بڑا حصہ ، جیسا کہ کابل تک صحابہ کرام نے جہاد کیا ، اسی طرح دریائے آمو سے اس پار علاقے میں خلفائے راشدین کے دور میں تشکیلات ہوئیں تھیں اور یہ علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے تھے. لیکن آج کل اس پر امریکہ اور اس کے اتحادی قابض ہیں۔

اسی طرح فلسطین اور بیت المقدس جو کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے سے مسلمانوں کا ایک بڑا مرکز رہا، اس پر بھی آج یہود قابض ہیں۔

اسی طرح بلغاریہ ، ہنگری، قبرص، فلپائن، حبشہ (ایتھوپیا)، شرقی ترکستان کاشغر تک جو کہ آج کل چین کا (مقبوضہ) حصہ ہے اور مغربی ترکستان جو کہ آج کل روس کے زیرِ تسلط ہے، اسی طرح فرانس تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہنچ گئے تھے اور یہ سب اسلامی حکومت کے حصے تھے۔ ان سب علاقوں کو کفار سے آزاد کرانا ہمارے اوپر ایک امانت ہے۔

ساتواں فائدہ: مؤمنین اور منافقین کی تمیز

جہاد کا یہ فائدہ قرآن پاک میں بار بار بیان کیا جاتا ہے، جیسا کہ :

وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا (ال عمران: ۱۴۰)

"اور تاکہ اللہ تعالی ظاہر کریں مؤمنین۔"

اور جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَلِيَعۡلَمَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ نَافَقُوۡا (ال عمران: ۱۶۷،۱۶۶)

"اور تاکہ اللہ تعالی ظاہر کریں مؤمنین اور تاکہ ظاہر کریں ان لوگوں کو جو منافقین ہیں۔"

کبھی اللہ تعالی فرماتے ہیں:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (العمران:۱۷۹)

"اللہ تعالیٰ نہیں ہیں مؤمنوں کو چھوڑنے والے اس حالت پر جس پر تم ہو یہاں تک کہ جدا کردیں ناپاک کو پاک سے۔"

منافق اور مخلص کی تمیز دو وقتوں میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ایک جہاد میں اور دوسرا منکر کے رد میں۔ منافق منکر کا رد نہیں کرتا اور مخلصین منکر کا رد کرتے ہیں۔

آٹھواں فائدہ: شہداء کا حصول

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ (العمران:۱٤٠)

"جہاد اس لیے ہے تاکہ تم میں شہداء ہوں۔"

شہادت بہت اونچا درجہ ہے جو کہ جہاد کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور اگر جہاد نہ ہوتا تو شہادت کا اتنا اونچا درجہ کسی کو نہ ملتا۔

شہادت کا درجہ اور مقام

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہید کو اللہ تعالیٰ چھ انعامات عطاء فرماتے ہیں:

۱۔ اس کی فوری بخشش ہوجاتی ہے۔

۲۔ جنت میں اس کی جگہ اس کو دکھا دی جاتی ہے۔

۳۔ عذابِ قبر سے اس کو پناہ دے دی جاتی ہے۔

۴۔ قیامت کی بڑی ہیبت سے اس کو امن دے دیا جاتا ہے۔

۵۔ اس کے سر پر عزت کا ایسا تاج رکھا جاتا ہے کہ جس کا ایک موتی دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔

٦۔ بہتر (۷۲) حوروں سے اس کا نکاح کروا دیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ:

- ستر رشتہ داروں کے بارے میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ (رواہ الترمیذی وابن ماجہ باسناد صحیح)
- رسول اللہ ﷺ شہادت کا ارمان کرتے تھے۔ (متفق علیہ)
- شہید جب اپنی عزت دیکھے گا تو ارمان کرے گا کہ میں واپس دنیا چلا جاؤں اور دس دفعہ شہید کیا جاؤں۔(متفق علیہ)

- شہید کو مردہ کہنا حرام ہے اور شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ہوتی ہیں۔ (مسلم)
- شہادت سے قرض کے علاوہ تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔(مسلم)
- شہید کو صرف اتنی تکلیف کا احساس ہوتا ہے جتنا کہ ایک چیونٹی کے کاٹنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔(رواہ الترمیذی والنسائی والدارمی)

نواں فائدہ: مؤمن کو گناہوں اور گندگی سے پاک کرنا

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (العمران: ۱٤۱)

"تا کہ پاک کریں اللہ تعالی مؤمنین کو۔"

"تمحیص" یعنی پاک کرنا گندگی سے اور ان کو خالص کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جہاد سے مجاھد میں صفائی پیدا ہوتی ہے۔

دسواں فائدہ: کفار کی ہلاکت

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ (ال عمران: ۱٤۱)

"اور تا کہ ہلاک کریں کافروں کو۔"

یعنی جہاد کے ذریعہ کفار ہلاک کئے جاتے ہیں۔ کبھی ان پر تعارض ہوتے ہیں، کبھی کمین لگائی جاتی ہے، کبھی ریموٹ کنٹرول بم اور کبھی ان کو ہلاک کرنے کے لیے فدائی ان پر استعمال کیے جاتے ہیں۔

گیارہواں فائدہ: مجاھدین واضح کرنا

یعنی لوگ مجاھد اور غیرِ مجاھد کو جان لیں، جیسا کہ:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ (ال عمران: ۱٤۲)

"کیا تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہوجاؤگے اور ابھی تک اللہ تعالی نے تم میں سے نہیں ظاہر کیے وہ لوگ جنہوں نے جہاد کیا۔"

بارہواں فائدہ: صابرین واضح کرنا

جیسا کہ "ویعلم الصابرین" (اور تا کہ ظاہر کریں صبر کرنے والے)۔ یعنی یہ بات واضح ہوجائے کہ کون شھادتوں اور زخموں پر، ہجرتوں اور جیلوں پر، گھروں کی بربادی اور دیگر مشکلات پر صبر کرتا ہے اور کون ان پر صبر نہیں کرتا۔

تیرہواں فائدہ: انبیاء اور دیگر نیک لوگوں کی تابعداری

کیوں کہ جہاد انبیاء اور نیک لوگوں کا راستہ ہے، جیسا کہ فرمایا:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ (ال عمران:۱۴۶)

"اور کتنے ہی انبیاء کے ساتھ مل کر جنگ کی بہت سے نیک لوگوں نے۔"

چودھواں فائدہ: ایمان زیادہ کرنا

یعنی جہاد کی وجہ سے ایمان میں ترقی اور زیادتی پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ فرمایا "وزادھم ایمانا" (ان کا ایمان زیادہ کردیا) اور ایک اور جگہ فرمایا:

وَمَازَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا (الاحزاب:۲۲) (انہیں زیادہ نہ کیا مگر ایمان اور تابعداری میں)

پندرہواں فائدہ: مؤمنوں کو آزاد کرانا

یعنی کمزور عورتوں اور بچوں کو ظالموں کے ظلم سے آزاد کرانا، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ (النساء:۷۵)

"اور کیا عذر ہے تمھارا کہ جنگ نہیں کرتے اللہ تعالی کے راستے میں، کمزور مرد، عورتوں اور بچوں کو آزاد کرانے کے لیے۔"

جیسے جب مسلمان کفار کی جیلوں میں ہوتے ہیں تو ان کو آزاد کرانے کے لیے جہاد فرضِ عین ہوتا ہے۔ جیسا کہ آج کل امریکیوں اور ان کے اتحادیوں کی جیلیں مسلمانوں اور مجاہدین سے بھری ہوئی ہیں، جن کا وقت تکالیف اور مظالم کو سہ سہ کر گزرتا ہے۔ بہت سے مجاہدین غائب ہیں، ورثاء کو نہیں معلوم کہ زندہ ہیں یا مر گئے یا کس جیل میں ہیں، ان سے ملاقات، ٹیلیفون یا خط کسی طرح بھی رابطے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ بہت سے جیلوں میں شہید کر دیے گئے اور سڑکوں پر پھینک دئے گئے۔ فالله المستعان۔ اللہ تعالی سب کو آزادی نصیب فرمائیں اور سب کو صبر اور برداشت کی توفیق عطاء فرمائیں، اور اللہ تعالی ان کے ایمان و اعمال اور عقل و دماغ کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

سولہواں فائدہ: کافروں کی جنگ کو روکنا

یعنی جہاد کے ذریعے کافروں کی جنگ رکتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان مبارک ہے:

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (النسا:۸۴)

عسی اللہ تعالی کے کلام میں وجوب کے لیے آتا ہے، یعنی جہاد کے ذریعے اللہ تعالی کافروں کی جنگ کو روکتے ہیں۔ جب مجاہدین قربانی دیتے ہیں تو اللہ تعالی کافروں کو مارتے اور ذلیل و رسوا کرتے ہیں، اور پھر وہ صلح اور مذاکرات پر راضی ہوجاتے ہیں۔

جب نبی ﷺ نے ہجرت کی تو صلح حدیبیہ تک چھ سال کافر کسی قسم کے مذاکرات کے لیے تیار نہ تھے، ان کی یہ سوچ تھی کہ ہم مسلمانوں کو جڑ سے ختم کردیں گے اور ان کا مرکز یعنی مدینہ منورہ ختم کر دیں گے، لیکن جب ان سے جنگیں شروع ہوگئیں اور ان کی خوب مرمت کی گئی تو وہ صلح اور مذاکرات پر راضی ہوگئے، جس کے نتیجے میں صلح حدیبیہ ہوئی۔ آج کل ہمارے بھی یہی حالات ہیں کہ جب مجاہدین قربانی دیتے اور حکومت کی خوب پٹائی لگاتے ہیں تو وہ جرگوں اور مذاکرات کی کوششیں شروع کردیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ بھی اپنی جان افغانستان سے نکالنے کے لیے مذاکرات پر زور دے رہا ہے۔

سترہواں فائدہ: مختلف اقسام کے ثوابوں کا حاصل ہونا

جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان مبارک ہے:

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً (النساء:۹۵،۹۶)

ان آیات میں اللہ تعالی نے مجاهدین سے اجرِ عظیم اور بہت سے درجات کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کی تشریح نبی ﷺ نے اپنی حدیث میں اس طرح فرمائی ہے کہ جنت میں سو درجے ہیں جو کہ سب کے سب اللہ تعالی نے مجاهدین کے لیے تیار کیے ہیں۔ ان آیات میں مغفرت اور رحمت کا بھی وعدہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ توبہ میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ مجاهدین کامیاب ہیں اور ان کو اللہ تعالی رحمت ، اپنی رضا اور جنت نصیب فرمائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس پر جہاد کی گرد لگ جائے تو جہنم کی آگ اس پر حرام ہوجاتی ہے۔ (بخاری)، ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ جو آنکھ جہاد میں پہرہ دے تو اس آنکھ پر جھنم کی آگ حرام ہوجاتی ہے۔ (ترمذی)، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی کے راستے میں وقت لگانا گھر کی ستر سالہ نماز سے بہتر ہے۔ (ترمذی) ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ خون کا وہ قطرہ اللہ تعالی کو بہت محبوب ہے جو کہ جہاد میں گرے اور بدن کا وہ نشان (جیسے زخم وغیرہ) اللہ تعالی کو بہت محبوب ہے جو جہاد میں لگے۔ (ترمذی)

اٹھارواں فائدہ: کافروں کی جڑ کاٹنا

جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان مبارک ہے:

وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (الانفال:۷) (اور کاٹتا ہے کافروں کی جڑیں۔)

سورہ آل عمران میں اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا (ال عمران:۱۲۷) (تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو ھلاک کریں)

انیسواں فائدہ: حق ظاہر کرنا
بیسواں فائدہ: باطل کا خاتمہ

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ (الانفال:۸) (تاکہ ظاہر کریں حق اور ختم کریں باطل)

اکیسواں فائدہ: کافروں کو ڈرانا

جیساکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (الانفال:۶۰) (اس سے اللہ تعالی کے اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے ہو)

اسی طرح فرماتے ہیں:

سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (الانفال:۱۲) (جلد ہی میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا)

اسی طرح فرمایا:

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ (الحشر:۳) (اللہ تعالی نے ان کے دلوں میں ڈر ڈال دیا)

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«رجل آخذ بعنان فرسه يخيف العدو» (آخری زمانے میں وہ شخص بہت بہتر ہوگا جو اپنے گھوڑے کی لگامیں پکڑا اپنے دشمن کو ڈراتا ہوگا۔) یعنی دشمن اس سے ڈر اور خطرے میں ہو، جیسا کہ آج کل جسے دہشت گرد اور دہشت گردی کہا جاتا ہے، اور عربی میں "ارھابی" کہاجاتا ہے۔ کافر پر دہشت اور ڈر ڈالنا مؤمن کی صفت ہے۔

بائیسواں فائدہ: جہاد کافروں کے لیے عذاب ہے
تئیسواں فائدہ: کافروں کو رسوا کرنا
چوبیسواں فائدہ: جہاد مؤمنوں کے لیے اللہ کی مدد و نصرت کا سبب ہے
پچیسواں فائدہ: جہاد مؤمنوں کے سینوں کو ڈھنڈک دینے کا سبب ہے
چھبیسواں فائدہ: جہاد سے کافروں کا غصہ ختم ہوتا ہے
ستائیسواں فائدہ: قتال کافروں کی توبہ کا سبب ہے

یہ چھ کے چھ فائدہ اللہ عزوجل نے اس ایک آیت میں بیان فرمائے ہیں:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ (التوبة:۱۵،۱۴)

"جنگ کرو ان سے، اللہ تعالی انہیں تمھارے ہاتھوں عذاب دیں گے، اور انہیں شرمندہ کریں گے، اور ان کے مقابلے میں تمھاری مدد کریں گے، اور ٹھنڈے کریں گے مؤمنوں کے سینے، اور کافروں کے دلوں کا غصہ ختم کردیں گے، اور مہربانی فرماتے ہیں اللہ تعالی جس پر چاہتے ہیں۔"

اٹھائیسواں فائدہ: جہاد سے جزیہ حاصل ہوتا اور کافر ذلیل ہوتے ہیں

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

حَتّٰي يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبة:۲۹) (یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اس حال میں کہ ذلیل ہوں۔)

کافروں سے اس وقت تک جنگ کرنا فرض ہے کہ تمام کافر جزیہ دیں اور ذلیل ہوجائیں، اور ان کی حکومت ختم ہوجائے۔

آج کل پوری زمین میں ایک جگہ بھی ایسی نہیں ہے کہ جس پر کفار اسلامی نظام کے تحت ذمی ہوں اور اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور ذلیل ہوں، بلکہ آج معاملہ الٹ ہے کہ مسلمان ذلیل اور نظامِ کفر کے تحت زندگی گزار رہے ہیں، اور مسلمانوں کی دولت پر بھی کفار قابض ہیں۔

انتیسواں فائدہ: جہاد دو خوشیوں کے انتظار کا سبب ہے

جہاد سے مسلمان کو دو خوشیاں ملتی ہیں، ایک خوشی فتح اور غنیمت کی، اور دوسری شہادت کی، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ (التوبة:۵۲) (تم لوگ ہمارے لیے دو خوشیوں میں سے ایک خوشی کا انتظار کرتے ہو۔)

تیسواں فائدہ: جہاد اللہ تعالی کے وعدوں کی وفاداری کا سبب ہے

اللہ تعالی نے ہر مؤمن سے وعدہ اور سودا کیا ہے، اور اللہ تعالی نے مؤمنوں کی جان و مال جنت کے بدلے لے لیے ہیں، اوراس کے بدلے میں مؤمن کا کام یہ ہو گا کہ وہ قتال کرے گا، دوسرے کو مارے گا اور خود بھی مارا جائے گا، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ (التوبة:۱۱۱)

"یقینا اللہ تعالی نے مؤمنوں کا نفس اور ان کی جان خریدلی ہے کہ ان کے لیے جنت ہوگی، وہ اللہ تعالی کے راستے میں جنگ کریں گے، دوسروں کو ماریں گے اور خود بھی قتل ہوں گے۔"

اکتیسواں فائدہ: جہاد میں ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنا کثیر ثواب کا باعث ہے

جہاد میں بھوک و پیاس اور تھکاوٹ سببِ ثواب ہے، کسی راستے پر جانا اور کافر کو غصہ دلانا بھی ثواب ہے، دشمن کی ہر تکلیف سببِ ثواب ہے، جہاد میں خرچہ کرنا چاہے کم ہو یا زیادہ ثواب ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (التوبة:۱۲۰،۱۲۱)

"یہ اس وجہ سے ہے کہ ان کو جو بھی پیاس اور تھکاوٹ اور بھوک پہنچتی ہے اللہ کے راستے میں، اور وہ جس بھی راستے پر جاتے ہیں کہ جس سے کافر غصہ ہوتے ہیں، اور انہیں دشمن سے جو بھی تکلیف پہنچتی ہے تو ان کے لیے اس کے بدلے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالی نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔"

بتیسواں فائدہ: دین کے مرکزوں کی حفاظت

یعنی جہاد کے ذریعے دین کے مرکزوں کی حفاظت ہوتی ہے، جیسا کہ :

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (الحج:۴۰)

"اگر دور نہ کرتے اللہ تعالی لوگوں کے ذریعے بعض دوسروں کو تو ویران ہوجاتے گرجے، پیروں اور نصاریٰ کے عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مساجد کہ جس میں اللہ تعالی کا نام یاد کیا جاتا ہے بہت زیادہ۔"

"لھدمت" یعنی ویران ہونا دو قسم کا ہوتا ہے، ایک ظاہری ہوتا ہے جیسے ہماری بہت سی مساجد اور مدارس بمبار سے ویران ہوئے، یا جن ملکوں میں انہوں نے قبضہ کیا جیسا کہ اندلس وغیرہ، اس میں مساجد و مدارس ، گرجوں میں تبدیل کردیے۔

ویران کرنے کا دوسرا معنی یہ ہے کہ مساجد تو ہوں گی لیکن اس میں عبادت نہیں ہوگی ۔ آج کل بہت سی مساجد ہیں لیکن عبادت سے خالی ہیں، بعض میں عبادت تو ہے لیکن توحید اور سنت کے طریقے پر نہیں۔ لہٰذا جہاد کے ذریعے مساجد اور دینی مرکزوں کی حفاظت ہوتی ہے اور وہ عبادت کے ذریعے آباد کیے جاتے ہیں۔

تینتیسواں (۳۳) فائدہ: سبب نصرت الٰہی

جہاد اللہ تعالی کی نصرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (الحج: ۳۰) (اللہ تعالی ضرور بالضرور مدد فرمائیں گے اس شخص کی جو اللہ تعالی کی مدد کرے گا۔)

اس آیت میں "لام" اور "نون" دونوں تاکید کے لیے ہیں، یعنی جو جہاد کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کی ضرور مدد کرتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْب (الصف:۱۳)

"اور تمھارے لیے ایک دوسری چیز ہے کہ جس سے تم محبت رکھتے ہو جو کہ مدد ہے اللہ تعالی کی طرف سے اور نزدیک فتح۔"

اور جہاد تائید الٰہی کا سبب ہے، جیسا کہ:

فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ (الصف:۱۴)

"ہم نے مضبوط کردیا ان لوگوں کو جو ایمان لائے دشمن کے مقابلے میں۔"

اور جہاد معیتِ الٰھی کا سبب ہے، یعنی اللہ تعالی مجاھدین کے ساتھ ہوتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ مَعَكُمْ (محمد:۳۵) (اللہ تعالی تمھارے ساتھ ہیں)

بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد میں اس ارادے سے جاتے تھے کہ مجھے نصرتِ الٰہیہ حاصل ہوجائے اور اللہ تعالی میری مدد فرمائیں۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تاتاریوں کے مقابلے میں اس وقت کے بادشاہ کو قسم دے کر کہا کہ اللہ کی قسم! اللہ تعالی ضرور میری مدد کریں گے، کسی نے ان سے کہا کہ انشاء اللہ بھی کہہ دیں، انہوں نے جواب دیا کہ انشاء اللہ تحقیقا کہہ دیتا ہوں تعلیقا نہیں کہوں گا، کیوں کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ "وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ"۔

چونتیسواں فائدہ: ہدایتِ الٰہی

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۶۹)

"وہ لوگ جو ہماری رضا کی کوشش کرتے ہیں، ہم انہیں اپنے راستے سکھا دیں گے۔"

پینتیسواں فائدہ: کفار کا تسلیم ہونا

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد:۴)

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ جنگی لوگ جنگی سامان اور اسلحہ رکھ کر تسلیم اور سرینڈر ہو جائیں۔ فراء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہاں تک کہ نہ رہ جائیں مسلمان یا صلح کرنے والے۔ (خازن ص:۱۳۵،ج:۴)

دوسرا معنی یہ ہے کہ جنگ کے اسباب یعنی شرک چھوڑ دیں، جیسا کہ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شرک باقی نہ رہے۔ (ابن کثیر ص:۱۳۷،ج:۳)

چھتیسواں فائدہ: ابتلاء اور امتحان
سینتیسواں فائدہ: اعمال کی حفاظت
اڑتیسواں فائدہ: ہدایت اور حالت کی اصلاح اور جنت میں داخلہ
انتالیسواں فائدہ: ثابت قدمی

یعنی دین پر ثابت قدم ہونا، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاْ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۴﴾ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿۵﴾ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ

(محمد:۷،۶،۵،۴)

"اگر چاہیں اللہ تعالی تو ان سے بدلہ لے لیں لیکن اس لیے تاکہ امتحان لے لیں تم میں سے بعض کے ذریعے بعض کا، اور وہ لوگ جو مارے جائیں اللہ کے راستے میں تو اللہ تعالی ان کے اعمال کبھی بھی ضائع نہیں فرمائیں گے، نزدیک ہے کہ اللہ تعالی انہیں راستہ دکھائیں گے اور ان کی حالت بہتر کریں گے اور ان کو اس جنت میں داخل کریں گے جو انہیں بتائی جا چکی ہوگی (یعنی پوچھنے کی حاجت نہ ہوگی)۔ اے مؤمنو! اگر تم لوگ اللہ تعالی کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالی تمھاری امداد کریں گے اور تمھارے قدم مضبوط کردیں گے۔"

چالیسواں فائدہ: رضائے الٰہی
اکتالیسواں فائدہ: سببِ سکینہ، تسلی اور فتح و غنیمت

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا (الفتح:۱۹،۱۸)

"یقینا راضی ہوئے اللہ تعالی مؤمنین سے، جب کہ وہ بیعت کر رہے تھے آپ سے درخت کے نیچے، سو معلوم تھا اللہ تعالی کو وہ جو ان کے دلوں میں تھا۔ تو بھیج دیا اللہ تعالی نے ان پر آرام و تسلی اور بدلے میں دے دی ان کو نزدیک فتح اور بہت سی غنیمتیں جو کہ وہ حاصل کریں گے۔"

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ جہاد کا ایک اور فائدہ دفاع اور انتقام بھی ہے، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام لینے کے لیے کی تھی۔

بیالیسواں فائدہ: سببِ محبتِ الٰہیہ

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (الصف:۴)

"یقینا اللہ تعالی ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو اس کے راستے میں جنگ کرتے ہیں صف در صف، گویہ کہ وہ ایک ایسی عمارت ہیں جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہے۔"

تینتالیسواں فائدہ: عذاب سے نجات کا سبب
چوالیسواں فائدہ: سببِ مغفرت، جنت، مزیدار گھر اور مدد و فتح

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (الصف:۱۳)

"اے مؤمنو! کیا میں تمھیں ایک ایسی تجارت دکھاؤں جو تمھیں دردناک عذاب سے بچائے۔ ایمان لاؤ اللہ تعالی پر اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کے راستے میں اپنے مال اور جان سے۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ معاف کردیں گے تمھارے گناہ اور داخل کردیں گے ایسی جنتوں میں کہ جس میں نہریں بہتی ہوں گی اور ایسے گھروں میں جو مزیدار ہوں گے، ہمیشہ کی جنتوں میں، یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور تمھارے لیے دوسری نعمت جس سے تم محبت رکھتے ہو، اللہ تعالی کی طرف سے مدد اور عنقریب فتح، اور خوشخبری دے دو مؤمنین کو۔"

جہاد کے یہ کچھ فائدے اور نتیجے ہم نے آیات سے ذکر کیے، اس کے علاوہ احادیث سے بھی جہاد کے بہت سے فوائد پتہ چلتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر جہاد میں کوئی دوسرے فائدے نہ ہوتے اور صرف ایک فائدہ یہ ہوتا کہ اس کے ذریعے ایک گناہ معاف ہوجاتا تو یہ بھی پورا تھا۔ حالاں کہ جہاد سے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی اس کے بہت سے فوائد ہیں۔ (شرح مهذب ج:۱۹)

بہر حال یہ بات غلط ہے کہ اس جہاد کا کوئی فائدہ اور نتیجہ نہیں ہے ، یا یہ پوچھنا کہ اس جہاد کا کیا نتیجہ نکلا؟

مجاھدین کے لیے آخری وصیت یہ ہے کہ جہاد کے اھداف و مقاصد اور فائدوں کو اپنا نصب العین بنائیں، اور جہاد کے ثمرات اور نتائج پر مضبوط نظر رکھیں ، اور اپنی عمریں جہاد میں لگادیں۔

جہاد ختم نہیں ہوسکتا، یہ قیامت تک جاری رہے گا،لیکن ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی عمریں جہاد میں لگا دیں، اور اُس جہاد اور شہادت کی کوشش کریں جو اللہ تعالی کو قبول و منظور ہو اور جو اللہ تعالی کی رضا اور نزدیکت کا سبب بنے۔

عارضی جہاد کوئی کمال نہیں ہے، بلکہ کمال تو یہ ہے کہ موت تک جہاد کی کوششوں کو جاری رکھاجائے، اور جہاد کے ساتھ ساتھ علم و دعوت اور دین کے دوسرے شعبوں کی طرف بھی مکمل کوشش کی جائے، اور یہ عزم کیا جائے کہ جہاد کے ساتھ آخری خاتمہ مضبوط عقیدے، نیک عمل اور شہادت پر ہو۔ اللہ تعالی ہمارا آخری خاتمہ توحید کے عقیدے اور مقبول شہادت پر کریں۔
آمین

نظم اور نظام

نظم اور نظام

الحمد للّٰہ حمدالشاکرین والصلوۃ والسلام علی اشرف الانبیا وسید المرسلین محمدوعلی آلہ و اصحابہ اجمعین و من اتبعھم باحسان الی یوم الدین اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ وقال تعالی قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ

تمہید

جہاد محبتِ الٰہی کا سبب ہے، یعنی مجاہدین سے اللہ تعالی محبت کرتے ہیں، لیکن ان مجاہدین سے جن کا جہاد ایک منظّم طریقے پر چل رہا ہو، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ

"قتال کرتے ہیں وہ اللہ کے راستے میں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"

اسی وجہ سے قرآن کریم امورِ انتظامیہ کا بار بار بیان کرتا ہے تاکہ مجاہدین منظّم ہوجائیں۔ کیوں کہ جب مجاہدین منظّم ہوتے ہیں تو وہ صحیح جہاد کرسکتے ہیں، اور اسی وقت ان کے جہاد کے صحیح نتیجے اور ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

لطیفہ:

اسی وجہ سے قرآن کریم میں مکھی کے نام سے ایک سورت "سورہ نحل" ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کا وقت ایک نظم میں گزرتا ہے۔ اسی طرح چیونٹیوں کے نام سے ایک سورت "سورہ نمل" ہے، کیوں کہ ان کا وقت بھی نظم و ضبط سے گزرتا ہے لیکن گدھوں کے نام سے کوئی سورت نہیں ہے، کیوں کہ ان کا کوئی نظم و ضبط نہیں ہوتا۔

نظم اور نظام کو ایک دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے:

نظم اور نظام ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں، اسی لیے دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے، نظم نظام سے مضبوط ہوتا ہے اور نظام نظم سے چلتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نظم تنظیم اور جماعت کو کہتے ہیں اور نظام قانون کو۔ لہٰذا جماعت اس وقت قوی ہوتی ہے کہ جب قانون اور اصولوں کا خیال رکھا جائے، اور قانون اور اصول جماعت کے ذریعے چلتے اور نافذ ہوتے ہیں۔

نظم اور نظام کا معنی:

نظم اور تنظیم جمع کرنے کو اور موتی پرونے کو کہتے ہیں، جبکہ نظام اس دھاگے کو کہتے ہیں کہ جس میں موتی جمع کیے جاتے اور پروئے جاتے ہیں۔

نظم اور نظام کا کوئی خاص اصطلاحی معنی منقول نہیں ہے لیکن ہمارا مقصد یہ ہے کہ نظم جماعت اور تنظیم کو کہتے ہیں اور نظام ان قوانین اور اصولوں کو کہتے ہیں جو جماعت کو چلانے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ «موسوعة نضرة النعیم ص۸۷ج۵» میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

نظم اور نظام کے بارے میں آیات:

ہم نے ماقبل میں اس بات کی طرف شارہ کیا کہ نظم اور نظام کے بارہ میں بہت سی آیات ہیں۔ قرآن کریم جہاد کے لیے بار بار امورِ انتظامیہ بیان کرتا ہے تاکہ مسلمان منظّم اور متفق ہوجائیں اور صحیح طریقے سے جہاد کریں، جس کے نتیجے میں ممالک فتح کریں اور وہاں اللہ تعالی کا نظام اور قانون جاری کریں۔

آیات کثیر ہیں اس لیے ہم اختصار کی غرض سے صرف آیات کے حوالے اور ان کے مفاہیم پر اکتفاء کریں گے۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالی بنی اسرائیل کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم نے ان کے لیے ایک پتھر سے بارہ چشمے جاری کیے اور ہر جماعت کو ہم نے ان کا چشمہ دکھا دیا، تاکہ ان کا نظم اور اتفاق خراب نہ ہو اور ان میں جھگڑے نہ ہوں۔

سورہ آل عمران: ۱۲۱ میں فرماتے ہیں کہ جب آپ صبح سویرے نکلے اور مسلمانوں کو جنگ کے مورچے دکھارہے تھے کہ یہ سیدھی جانب ہوگا اور یہ الٹی جانب اور یہ بیچ میں اور یہ اطراف میں اور یہ پیچھے، یہ سب نظم اور نظام کی ترتیبات سے متعلق ہے۔

اسی طرح سورہ نساء: ۱۰۲ میں فرماتے ہیں کہ صلوٰۃِ خوف نظم سے پڑھو، ایک جماعت آپ ﷺ کے ساتھ مسلح شامل ہوگی اور دوسری جماعت پہرہ کرے گی، جب وہ ایک رکعت پڑھ لیں تو وہ پیچھے ہوجائیں اور دوسری جماعت آگے آجائے۔ اس طرح صلوٰۃ خوف میں بھی نظم کا خیال رکھو، گڑبڑ نہیں کرو۔

سورہ اعراف: ۱۱۵ میں فرماتے ہیں کہ جادوگروں نے نظم کا خیال رکھا، کیوں کہ موسی علیہ السلام سے کہا کہ پہلے آپ پھینکیں گے یا ہم؟

سورہ نور: ۵۹ میں فرماتے ہیں کہ چھوٹے بچے جب بالغ ہوجائیں تو آنے کی اجازت مانگیں اور یہ بیان کیا کہ پرانی عادت کے مطابق آنا بے نظمی ہے۔

سورہ نمل: ۱۷ میں کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے تین قسم کے لشکر تھے۔ جنات، انسان اور پرندے۔ جیسا کہ آج کل تین قسم کی فوج ہوتی ہے، بری، بحری اور ہوائی، اس کا تعلق بھی نظم سے ہے۔ اس میں ہر کسی کو اپنی مسئولیت اور ذمہ داری معلوم ہوتی ہے۔

پھر آیت نمبر ۲۰ میں فرماتے ہیں کہ پرندوں کی حاضری لی گئی تو ہدہد غائب تھا، لہٰذا سلیمان علیہ السلام نے اس کے بارے میں پوچھا۔ یعنی سلیمان علیہ السلام نے اپنی رعایا کے بارے میں معلومات حاصل کی، پھر رعایا میں سے ہدہد غائب تھا تو اس کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی، اور پھر اگر اس کے پاس صحیح عذر نہ ہو تو اس کے لیے سزا مقرر کرنے کا بھی فیصلہ کیا، پھر سزا بھی اس کے جرم کے مطابق مقرر کرنے کا ارادہ کیا۔ ان سب باتوں کا تعلق نظم سے ہے۔

پھر بلقیس بھی نظم کی طرف اشارہ کرتی ہے، جب اس کے پاس سلیمان علیہ السلام کا خط پہنچا تو اس نے فوری فیصلہ نہیں کیا، بلکہ اپنی شوری کو بلایا، شوریٰ کے ارکان نے بھی اس کا بہت احترام کیا اور مشورہ دینے کے بعد فیصلے کا اختیار اسی کو دیا۔ بلقیس نے ان کے مشورے کی تردید نرم الفاظ سے کی اور یہ فیصلہ کیا کہ پہلے سلیمان علیہ السلام کا امتحان کرتے ہیں اور وہ اس طرح کہ انہیں ہدیے بھیجیں گے۔

سورہ صف: ۴ میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالی ان مجاہدین سے محبت کرتے ہیں جن کا جہاد منظّم طریقے پر ہوتا ہے۔

نظم اور نظام کے بارے میں احادیث

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ رضی کو یمن بھیجا تو ان سے فرمایا کہ اللہ تعالی کی بندگی کی طرف دعوت دو فاذا عرفوا الله (جب وہ اللہ تعالی کو پہچان لیں) تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالی نے دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں فاذا فعلوا (جب وہ یہ کام کرلیں) تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالی نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے غریبوں پر خرچ کی جائے گی۔ (متفق علیہ)

فائدہ:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعوت میں بھی نظم اور ترتیب کا خیال رکھا جاتا ہے، دعوت الی اللہ میں بھی بے ترتیبی اور بے نظمی نہیں کرنی چاہیے۔ نظم میں یہ ہوتا ہے کہ اھم فالاھم (سب سے ضروری اور اہم کام سب سے پہلے پھر اس کے بعد اسی ترتیب سے) کی بنیاد پر کاموں کو چلایا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تین لوگ سفر پر جائیں تو اپنے میں سے کسی کو امیر مقرر کریں۔ (ابو داؤد)

فائدہ:

امیر مقرر کرنے کا تعلق بھی نظم سے ہے۔ امیر کے بغیر وقت گزارنا بے نظمی ہے۔ یعنی سفر میں بھی نظم و ضبط کا خیال رکھنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ خزانچی جو مسلمان اور امانت دار ہو اور امیر کے حکم کی تعمیل کرے کہ امیر جس کے بارے میں حکم کرے کہ فلاں کو فلاں چیز دے دو، تو وہ اس کو نفس کی خوشی سے پورا دے، تو یہ صدقہ دینے والوں میں سے ہے۔

فائدہ:

اس سے معلوم ہوا کہ بیت المال کے خرچے میں بھی نظم کا خیال رکھے اور امر کے مطابق ہی خرچ کرے۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو لوگ آس پاس پھیل جاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہ جدا جدا پھیلنا شیطانی ہے۔ اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ پڑاؤ ڈالتے تو لوگ ایک دوسرے کے نزدیک رہتے، یہاں تک کہ ایک کپڑے میں چھپ سکتے۔ (متفق علیہ)

فائدہ:

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایک جگہ بیٹھنے یا آرام کرنے میں بھی انسان کو چاہیے کہ نظم کا خیال رکھے۔ نظم یہ ہے کہ قریب قریب بیٹھا جائے اور بے نظمی جدا جدا بیٹھنا ہے۔

۵۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امامت وہ شخص کرے جو کتاب اللہ کا اچھا قاری ہو، اگر قرئت میں برابر ہوں تو پھر وہ شخص جو سنت کا زیادہ عالم ہو، اگر سنت میں بھی برابر ہوں تو وہ شخص جس نے ہجرت پہلے کی ہو، اگر ہجرت میں بھی برابر ہوں تو وہ شخص جس نے اسلام پہلے قبول کیا ہو۔

اسی طرح کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی اِمارت کی جگہ میں امامت نہ کرے اور نہ ہی اس کے گھر میں اس کی خاص نشست

میں اس کی اجازت کے بغیر بیٹھے۔

فائدہ:

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ امامت کرنے میں بھی نظم و ضبط اور ترتیب کا خیال رکھا جائے گا۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ صفیں سیدھی کرو، ایک دوسرے سے مل مل کر کھڑے ہو، اسی طرح پہلی صف میں اور سیدھی طرف کھڑے ہونے کی فضیلت زیادہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے نزدیک وہ لوگ کھڑے ہوں جو ہوشیار اور عقلمند ہوں، پھر وہ لوگ جو ان سے نزدیک ہوں، پھر وہ جو ان کے نزدیک ہوں۔

فائدہ:

اس سے معلوم ہوا کہ صفوں میں بھی نظم کا خیال رکھنا چاہیے۔ ہماری تو صفوں میں بھی بے نظمی ہوتی ہے۔

اسی طرح رکوع و سجود میں جانے اور واپس اٹھنے میں امام سے پہل نہیں کرنی چاہیے اور اس میں بھی نظم کا خیال رکھنا چاہیے۔

نظم اور نظام کے فائدے:

جماعت اور تحریک اس وقت اصل جماعت بنتی ہے کہ جب نظم اور نظام کا خیال رکھا جائے، اور اگر نظام کا خیال نہ رکھا جائے تو وہ جماعت اور نظم نہیں رہتے، ان میں شرعی اتفاق نہیں ہوتا اور وہ محض اتحادی ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے نظم اور اصولوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے اور اس کے بہت فوائد ہیں:

۱۔ جماعت کی حیثیت برقرار رہتی ہے، ساتھیوں کے درمیان الفت و اتفاق مضبوط رہتا ہے اور ان میں اختلاف نہیں پیدا ہوتا۔

۲۔ کم وقت میں زیادہ کام ہوجاتے ہیں۔

۳۔ کاموں میں برکت ہوتی ہے۔

۴۔ کام آسان ہوجاتے ہیں۔

۵۔ شیطان دور رہتا ہے۔

۶۔ کینہ ختم ہوجاتا ہے۔

۷۔ سربراہی حقدار کو ملتی ہے۔

۸۔ نظام اور اصولوں کا خیال رکھنے سے احکامِ شرعیہ کا التزام ہوتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ انسان شریعت کا پابند ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ایک اِمارت، ایک قیادت اور ایک جھنڈے کے نیچے جمع فرمائیں، آمین۔

وصلّوا علی نبیکم محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم

یہ بیان زیادہ تر «موسوعة نضرة النعیم» سے نقل کیا گیا ہے۔

نظــم کا بیان

الحمد للّٰہ الذی اعز الجہاد والمجاھدین واذل الطواغیت والمرتدین والصلٰوۃ والسلام علی نبی السیف وسید المرسلین محمد وعلی آلہٖ ومن اھتدٰی بھدیہ الی یوم الدین

امابعد،

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی مجاہدین سے محبت کرتے ہیں، لیکن وہ مجاہدین جن کا جہاد منظّم طریقے سے ہو۔

نظم سے متعلق پہلی بات: شوریٰ کا اہتمام کرنا

نظم سے متعلق بہت سی باتیں ہیں، ان میں سے ایک بات مشورے کا اہتمام کرنا ہے۔ بعضے لوگ مشورے کا اہتمام نہیں کرتے، ہر کام اپنی مرضی سے کرتے ہیں، خود کو شوریٰ کا پابند نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالی مؤمنوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وامرھم شوری بینھم (مؤمنوں کے کام مشورے سے ہوتے ہیں)

اللہ تعالی اپنے نبی سے فرماتے ہیں:

وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ (ان (صحابہ) سے دین کے کاموں میں مشورہ کریں)

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کے مشورے کی ضرورت نہ تھی لیکن اللہ تعالی کا ارادہ یہ تھا کہ بعد میں آنے والے لوگ اس معاملے میں آپ ﷺ کی اقتداء کریں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کو یہ حکم دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے مشورہ کریں تاکہ ان کے دل محبت سے بھر جائیں اور وہ خوش ہوجائیں، اور بعد میں آنے والے لوگ اس کی اقتداء کریں، اور تاکہ ان کاموں میں صحابہ کی رائے معلوم کریں جن میں وحی نہ آئی ہو۔ (السیاسۃ الشرعیۃ لابن تیمیہ ص ۱۶۲)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

لم یکن احد اکثر مشاورۃ لاصحابہ من رسول اللہ

"رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا کوئی نہ تھا"

جیسا کہ جنگ بدر کے دن نبی ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تھا کہ قافلے کے لیے باہر جانا چاہیے یا نہیں۔ صحابہ نے مشورہ دیا کہ آپ جو حکم دیں گے ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ اسی طرح بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا تھا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ان کے بدلے فدیا لینا چاہیے اور عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ان سب کو قتل کردینا چاہیے، نبی ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل کیا۔

جنگ احد کے موقع پر مشورہ لیا کہ مدینہ میں ہی رہ کر لڑیں یا باہر جاکر؟ اکثر صحابہ کا مشورہ یہ تھا کہ باہر جاکر لڑنا چاہیے تو نبی ﷺ نے بھی جنگ کے لیے مدینہ سے باہر جانے کا ارادہ کیا۔

جنگ احزاب کے موقع پر مشورہ کیا کہ ان اتحادیوں سے صلح کرکے مدینے کی پیداوار کا تیسرا حصہ ان کو دیدیں؟ لیکن سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے انکار کردیا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس بات پر مشورہ لیا کہ آیا مشریکین کی عورتوں اور بچوں پر حملہ کریں یا نہیں؟ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ہم جنگ کے ارادے سے نہیں آئے بلکہ عمرے کی نیت سے آئے ہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے ان کے مشورے پر عمل کیا۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہما کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ مشورے کا بہت اہتمام کرتے تھے، جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ جس بات کے بارے میں انہیں قرآن و حدیث کا علم نہ ہوتا تو وہ اس کے بارے میں عام مسلمانوں سے پوچھتے کہ کیا تمہیں اس بارے میں نبی ﷺ کی کوئی حدیث معلوم ہے یا نہ؟ پھر اگر کسی کو اس کے بارے میں قرآن و حدیث کا علم ہوتا تو اس پر عمل کرتے ، اور اگر اس بارے میں کسی کو قرآن و حدیث کا علم نہ ہوتا تو علماء اور بڑے حضرات کو جمع کرکے ان سے مشورہ لیتے، جس بات پر ان کا اتفاق ہوجاتا تو اسی پر فیصلہ فرماتے۔

عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی طریقہ تھا لیکن انہیں جب قرآن و حدیث سے کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو اس کے بارے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی معلومات کرتے، اگر ان کا اس بارے میں کوئی فیصلہ ہوتا تو اسی پر عمل کرتے۔ اس روایت سے ایک فرق یہ بھی معلوم ہوا کہ عام مسلمانوں سے حدیث اور روایت کا پوچھتے اور علماء اور بڑے حضرات سے مشورہ لیتے۔

علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اگر میرے پاس کوئی ایسی خبر آجائے کہ جس کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی حکم نہ ہو تو اس بارے میں آپ کا میرے لیے کیا حکم ہے؟رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فقہاء اور عابدین کی شوریٰ بنانا اور خالص اپنی رائے سے فیصلہ نہ کرنا۔

بخاری شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی مجلسِ شوریٰ کے ارکان قراء، بوڑھے اور جوان تھے۔

عمر رضی اللہ عنہ کو جب نیزہ مارا گیا تو آپ نے اپنے مرضِ وفات میں چھ صحابہ (عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم) کی شوریٰ بنائی اور فرمایا کہ یہ لوگ جس پر متفق ہوجائیں وہی تمھارا امیر ہوگا، پھران کا اتفاق عثمان رضی اللہ عنہ پر ہوا۔(ابن کثیر فی تفسیر قولہ تعلیٰ وامرھم شوریٰ بینھم)

بعض کہتے ہیں کہ جو امیر مشورے زیادہ کرتا ہے اس کی امارت کی تعریفیں کی جاتی ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مشورے سے ساتھیوں کا دل خوش ہوتا ہے، اتفاق پیدا ہوتا ہے، فیصلہ واضح ہوجاتا ہے۔ پھر یہ کہ کبھی کسی کے ذہن میں کوئی اچھا مشورہ ہوتا ہے لیکن وہ ادب کی وجہ سے یا بڑوں کے رعب اور احترام کی وجہ سے نہیں کہہ پاتا لیکن جب اس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے تو وہ اپنی رائے ظاہر کرتا ہے۔

حکماء کہتے ہیں کہ مشورہ حکومت کی بنیاد ہے اور مشورہ انبیاء کی عادت ہے، ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو ان سے مشورہ کیا، باوجود اس کے کہ وہ ایک بچے تھے۔ (تحریر الاحکام فی تدبیر اھل الاسلام ص۱۶۹

،اسی طرح مشورہ کرنے کے فوائد اور نہ کرنے کے نقصانات» تھذیب الریاسۃ و ترتیب السیاسۃ ص۸» میں بیان کیے گئے ہیں)

اس لیے تمام مجاھدین کو چاہیے کہ مشورے کا بہت اہتمام کریں۔

نظم سے متعلق دوسری اہم بات: ایک دوسرے کے علاقے اور ذمہ داری میں مداخلت نہ کرنا

بعض لوگ ایک دوسرے کے علاقے میں مداخلت کرتے ہیں، جیسا کہ ایک صوبے کے لوگ دوسرے صوبے میں اور ایک ضلع کے لوگ دوسرے ضلع میں، یا ایک ایجنسی کے لوگ دوسری ایجنسی میں یا ایک تحصیل کے لوگ دوسری تحصیل میں مداخلت کریں اور مقامی ساتھیوں کے مشورے اور حکم کے بغیر کام کریں، جیسا کہ ایک شخص کی ایک قسم کی ذمہ داری ہو اور وہ کسی دوسرے کی ذمہ داری میں مداخلت کرے تو یہ کام جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ جب عمومی امیر اور خلیفہ کسی کو ایک علاقہ یا شہر یا کوئی کام حوالے کرے تو یہ حوالے کرنا دو قسم پر ہے۔

ایک یہ کہ یہ حوالہ کرنا خاص ہو یعنی خاص ذمہ داری ہو۔ اس صورت میں کوئی دوسرا اس میں مداخلت نہیں کرسکتا، جیسا کہ عمومی امیر کسی شخص کو صرف لشکر کا امیر بنائے نہ کہ اموال کا، تو یہ لشکر کا امیر اموال میں مداخلت نہیں کرسکتا۔ اسی طرح جب عمومی امیر کسی کو اموال کا امیر بنائے تو یہ فیصلے نہیں کرسکتا، کیوں کہ اس کا اختیار اور دائرۂ عمل خاص ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ یہ ذمہ داری دینا عام ہو ، جیسا کہ ایک صوبے یا ایجنسی کا امیر ہو تو یہ قاضی بھی مقرر کرسکتا ہے، اموال بھی جمع کرسکتا ہے، پھر اسے اپنے مصارف میں بھی لگا سکتا ہے، مشرکوں اور حربیوں سے جنگ کرسکتا ہے۔ لیکن اپنے صوبے یا ایجنسی کے علاوہ دوسرے علاقے میں مداخلت نہیں کرسکتا، کیوں کہ اس کا اختیار اس کے اپنے علاقے تک خاص ہے، اس کا اختیار تو پورا ہے لیکن علاقہ خاص اور محدود ہے۔ (تحریر الاحکام فی تدبیر اھل الاسلام ص۶۰ لشیخ الاسلام محمد بن ابراھیم المتوفی ۷۳۳ھ۔)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں سرحدات اور جغرافیائی حدود نہیں، اس لیے ایک دوسرے کے علاقے میں مداخلت صحیح ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ اسلام میں حدود اور بارڈر نہیں ہیں لیکن نظم سازی کے لیے علاقوں اور ذمہ داریوں کی تقسیم کی جاسکتی ہے۔ نبی ﷺ کے دور میں مختلف صوبے تھے اور ہر صوبے کے اپنے اپنے حاکم اور امراء تھے۔

اسی طرح کام اور ذمہ داریاں تقسیم تھیں، لیکن ایک علاقے کا ذمہ دار دوسرے علاقے میں مداخلت نہیں کرتا تھا بلکہ جب ایک علاقے کا ذمہ دار کسی دوسرے علاقے میں جاتا تو مقامی ذمہ دار کی اِمارت میں وقت گزارتا۔اسی طرح ایک ذمہ دار کسی دوسرے کی مسؤولیت میں مداخلت نہیں کرتا تھا۔اس طرح وحدت اور اتفاق آتا ہے، اور جب ایک دوسرے کے علاقے اور مسؤولیتوں میں مداخلت کی جاتی ہے تو اس سے توڑ اور اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

نظم سے متعلق تیسری بات: رہنے کی جگہ اور جنگ کی جگہ ایک نہیں کرنی چاہیے

بعض مجاہدین یہ غلطی کرتے ہیں کہ اپنے علاقے کو ہی میدانِ جنگ بنالیتے ہیں، اور کوئی جگہ ایسی نہیں چھوڑتے کہ جہاں سے کام چلائیں، لیکن جب حالات سخت ہوجاتے ہیں تو نرم پڑجاتے اور صلح اور مذاکرات کے لیے امادہ ہوجاتے ہیں۔

نبی ﷺ نے مکہ میں جنگ نہیں کی اور نہ ہی اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو وہاں جنگ کا حکم دیا، حالاں کہ اگر نبی ﷺ مکہ میں جنگ کرتے تو پھر بھی اللہ تعالی آپ ﷺ کی ضرور مدد فرماتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آئندہ آنے والے وقت میں

امت کے لیے ایک طریقہ بن جائے۔ نبی ﷺ نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور یہود سے معاہدہ کیا اور اپنے نزدیک ایک پرامن فضاء پیدا کرلی تو پھر قریش کے خلاف جنگیں شروع کردیں۔ اسی وجہ سے قرآن کریم جگہ جگہ جہاد سے پہلے ہجرت کا ذکر کرتا ہے، کیوں کہ کام چلانے اور رہنے کی جگہ جدا ہوتی ہے، اور جنگ کی جگہ جدا۔

اسی وجہ سے شیخ عبد المنعم «السياسة الشرعية» میں کہتے ہیں کہ میدانِ جنگ اور میدانِ معاہدہ اور امن ایک کردینا شرعاً، اخلاقاً اور سیاسۃً غلط ہے۔

فائدہ:

البتہ اگر دشمن اپ کے گھر اور علاقے میں آجائے تو پھر اس سے اپنے علاقے میں بھی جنگ کی جاسکتی ہے، جیسا کہ جنگِ احد اور احزاب میں ایسا ہی ہوا تھا کہ کفار مسلمانوں کے پیچھے آئے تھے اس لیے مسلمانوں نے ان سے اپنے علاقے میں جنگ کی۔

ہمارے وقت میں اصل غلطی حکومت کی تھی کہ ایسے ظلم شروع کر دیے کہ جس سے مجاہدین دفاعی اور انتقامی کاموں پر مجبور ہوگئے، جیسا کہ باجوڑ میں پہلے تو ہم پر چھاپہ مارا اور گرفتار کیا، اٹھارہ ماہ جیل میں رکھا، پھر ڈمہ ڈولہ پر بمباری کی، پھر مولانا لیاقت شہید رحمہ اللہ کے مدرسے پر بمباری کی اور وہاں ۸۳ لوگ شہید کیے، اور پھر اس کی ذمہ داری کا فخر یہ طور پر بار بار میڈیا پر اعلان کرتے رہے، وغیرہ وغیرہ۔اس کی جوابی کارروائی میں درگئی میں فدائی کیا گیا جس میں انہوں نے خود ۴۳ فوجیوں کی ہلاکت قبول کی۔

بعض غلطیاں مجاہدین کی تھیں کہ انہوں نے ایسے انداز سے نقل و حرکت شروع کردی کہ حکومت کو اپنی طرف وقت سے پہلے ہی متوجہ کرلیا۔ بعض ایسے لوگوں نے اسلحہ اٹھا لیا جو بعد میں اس پر صبر نہیں کرسکے۔

نظم سے متعلق چوتھی بات: جنگ کے محاذ کم رکھنا

بعض مجاہدین وقت سے پہلے ہی اپنے لیے جنگ کے محاذ بڑھا لیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پھر تمام محاذ نہیں چلا پاتے، ان کے اخراجات پورا نہیں کرپاتے، ساتھیوں کے حوصلے کم ہوجاتے ہیں، قوت اور صلاحیت ختم ہوجاتی ہے ، ظاہری ناکامی کا شکار ہوجاتے ہیں، عوام میں نفرت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، کیوں کہ وہ حکومت کے ظلم و وحشت سے ڈرتے ہیں، اور بعض اس وجہ سے ساتھ نہیں دے پاتے کیوں کہ وہ زیادہ مشکلات نہیں برداشت کرسکتے۔ پھر بعض ناسمجھ کہتے ہیں کہ اس جہاد کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ محاذوں کو بغیر ضرورت نہیں بڑھاتے تھے بلکہ آپ ﷺ کی جنگیں اور محاذ ترتیب وار ہوتے تھے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے مقابلے میں تین بڑی قوتیں تھیں، قریش، یہود اور قبائل۔ جب آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو آپ نے یہود سے معاہدہ کیا، اپنے لیے ایک پُر امن فضاء بنائی اور پھر قریش سے جنگوں کی ابتداء کی۔ جب قریش کو جنگوں میں کمزور کردیا تو یہود سے جنگوں کا آغاز کیا۔ پھر یہود بھی تین حصوں میں تقسیم تھے، بنو قینقاع، بنو نظیر، بنو قریظہ۔ آپ ﷺ نے تینوں سے ایک ہی وقت میں جنگیں نہیں شروع کیں بلکہ ان سے بھی ترتیب وار جنگوں کا آغاز کیا۔

سب سے پہلے بنو قینقاع نے اپنا معاہدہ توڑا، آپ ﷺ نے انہیں گرفتار کر کے ان کے قتل کا ارادہ کیا، لیکن منافقوں کے سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول نے بار بار سفارش کی تو اس کی سفارشوں کی وجہ سے ان کو قتل نہ کیا بلکہ مدینہ سے شام کی

طرف جلا وطن کردیا۔

اس کے بعد بنو نظیر نے اپنا معاہدہ توڑا۔ ان کو بھی آپ ﷺ نے جلا وطن کردیا۔ اس کے بعد بنو قریظہ نے معاہدہ توڑا تو آپ ﷺ نے ان کے قتل کا حکم دیا۔ یہود سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے دوسرے قبائل کی طرف لشکر بھیجنے شروع کیے۔ (اس کی پوری تفصیل "الرحیق المختوم" میں دیکھی جاسکتی ہے۔)

جنگِ احزاب میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف اتحادی جمع ہوئے تو آپ نے ارادہ کیا کہ ان کا اتحاد توڑا جائے۔ لہٰذا عیینہ بن حصن سے فرمایا کہ تم اپنے لوگوں کو جنگ سے پیچھے کرلو ہم تمہیں مدینہ طیبہ کی آمدن کا تیسرا حصہ دیں گے۔

اس کے بعد جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو ان کے مقابلے میں بھی تین بڑی قوتیں تھیں، مرتدین، فارس اور روم۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے لیے محاذوں کو نہیں بڑھایا۔ سب سے پہلے جزیرہ عرب میں مرتدین کو ختم کیا، پھر فارس اور روم کی طرف توجہ کی، اور اس میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ فارس سے جنگ کی جائے اور روم سے صرف دفاع۔ یعنی فارس کی طرف اقدامی منصوبہ تھا جبکہ روم کی طرف دفاعی۔ یہ اس لیے تاکہ محاذ نہ بڑھ جائیں، لیکن جب رومیوں نے زیادتی شروع کردی تو ان کے خلاف بھی جنگوں کا اغاز کیا۔ (اس کی تفصیل "تاریخ الاسلام لمحمود شاکر" میں دیکھیں۔)

اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے آخری دور میں شام کی طرف لشکر بھیجا تو اسے تین حصوں میں تقسیم کیا، یزید بن ابی سفیان کو دمشق کی طرف، عمرو بن العاص کو فلسطین کی طرف، شرجیل بن حسبہ کو اردن کی طرف اور ابو عبیدہ بن جراح کو حمص کی طرف بھیجا۔ رضی اللہ عنهم ورضوا عنہ۔ چناں چہ رومیوں نے بھی ان کے خلاف چار بڑے بڑے لشکر تیار کرے۔

مسلمانوں میں یہ خوف پیدا ہوا کہ ہم ان کے ساتھ جدا جدا محاذوں پر مقابلہ نہیں کرسکتے، اس لیے ہم سب کو ایک ہی محاذ میں جمع ہونے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا گیا تو آپ نے اس کی اجازت دے دی کہ سب ایک ہی محاذ پر جمع ہوجائیں۔

چناں چہ مسلمان سب ایک ہی محاذ پر جمع ہوگئے اور پھر وہ مشہور تاریخی جنگ ہوئی جسے "جنگِ یرموک" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو بڑی فتح نصیب فرمائی۔ (اس کی تفصیل ہماری کتاب "ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اسلامی تاریخ" میں دیکھیں۔)

نظم سے متعلق پانچویں بات: مختلف ذمہ داریاں نہ جمع کرنا

بعض لوگوں میں یہ نقص ہوتا ہے کہ وہ خود امیر بھی ہوتے ہیں، قاضی بھی، خزانچی بھی اور وہ جرگے بھی خود ہی کرتے ہیں، یعنی بہت سی ذمہ داریاں خود اپنے ذمہ لے لیتے ہیں۔ اس میں یہ نقصان ہے کہ ایک ہی شخص پر بوجھ اور مشکلات بڑھ جاتی ہیں اور اس سے کاموں میں خرابی پیدا ہوتی ہے، کیوں کہ ایک ہی شخص سارے کام صحیح طریقے سے ادا نہیں کرسکتا۔

خلفاء راشدین کے دور سے یہی چلا آرہا ہے کہ ہر کام کے لیے اپنے اپنے ذمہ دار ہوتے ہیں اور ہر کام کے لیے اپنے ذمہ دار کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، جیسا کہ نبی ﷺ نے مکہ مکرمہ میں عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کیا تھا، علی رضی اللہ عنہ اور معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی مقرر کیا تھا، ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو بھی قاضی بنا کر یمن بھیجا۔ آدھے یمن پر معاذ رضی اللہ عنہ قاضی تھے اور آدھے پر ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ۔

اسی طرح جب ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو عمر رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر کیا، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو خزانچی مقرر کیا، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو شام کا امیر بنایا، عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو طائف کا امیر مقرر کیا اور ابو موسی رضی اللہ عنہ کو زبید کا۔

اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر کیا اور ان کے لیے خرچہ بھی خاص کیا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو شام کا امیر مقرر کیا، ابو موسی رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کا امیر مقرر کیا۔ اسی وجہ سے علماء فرماتے ہیں کہ عمومی امیر کو چاہیے کہ ہر علاقے اور ہر کام کے لیے الگ الگ ذمہ دار مقرر کرے، کیوں کہ الگ الگ ذمہ داروں کی ضرورت ہوتی ہے، خصوصا ان علاقوں میں جو ایک دوسرے سے جدا ہوں۔ ولم یزل ذالك عادة الخلفاء لان الحاجة تدعو الیه (یعنی خلفاء راشدین کا ہمیشہ یہ طریقہ رہا کیوں کہ اس کی ضرورت پڑتی ہے۔)

(انظر تحریر الاحکام فی تدبیر اهل الاسلام ص۵۷ فی الباب الثانی فیما للخلیفة والسلطان)

نظم سے متعلق چھٹی بات: ساتھیوں کا امتحان لینا

امیر کو چاہیے کہ وقتا فوقتا ساتھیوں کا امتحان لیتا رہے تاکہ کھرے اور کھوٹے کی معلومات ہوجائے کہ کون امیر کی تابعداری کرتا ہے اور کون نہیں۔ مثلا یہ امتحان کرے کہ ڈیونہ پئیں، یا موٹر سائیکل نہ استعمال کریں، یا روزانہ ایک سپارہ تلاوت کریں، یا کسی دن سب ساتھی روزہ رکھیں، یا نسوار نہ استعمال کریں وغیرہ۔

جیسا کہ طالوت علیہ السلام کے واقعے میں آتا ہے کہ انہوں نے ساتھیوں سے کہا تھا کہ نہر سے پانی نہیں پینا، لہٰذا جس نے نہر سے پانی پی لیا تو اسے اللہ تعالی نے جہاد کی توفیق نہیں دی۔

علامہ سعد کہتے ہیں کہ :

امتحنهم بامر الله لیتبین الثابت المطمئن ممن لیس كذالك

"اللہ تعالی کے حکم سے ان کا امتحان کیا تاکہ مضبوط اور مطمئن ساتھی معلوم ہوجائے ان ساتھیوں میں سے جو ایسے نہیں ہیں۔"

پھر کہتے ہیں:

وكان فی عدم صبرهم عن الماً ساعة واحدة اكبر دلیل علی عدم صبرهم علی القتال الذی سیتطاول وتحصل فیه المشقة الكبیرة (تفسیر السعدی ص۹)

" انہوں نے جو تھوڑے سے وقت کے لیے پانی سے صبر نہ کیا تو یہ اس بات کی بڑی دلیل تھی کہ وہ جنگ پر بھی صبر نہیں کرسکتے کیوں کہ جنگ میں یہ احتمال ہے کہ وہ طویل ہوجائے اور اس میں بڑی مشقت سامنے آجائے۔"

یعنی جب چھوٹی مشقت برداشت نہیں کری تو بڑی مشقت کیا برداشت کریں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حکام پر یہ پابندی لگائی ہوئی تھی کہ ترکی گھوڑوں پر سواری نہ کریں، چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہ کھائیں، نرم کپڑے نہ پہنیں، لوگوں کے لیے اپنے دروازے نہ بند کریں، اور جس نے یہ کام کیا تو وہ سزا کا مستحق ہوگا۔ (مشكوة باب ما علی الولاة من التیسیر ص۳۲۲)

نظم سے متعلق ساتویں بات: احتساب

امیر کو چاہیے کہ اس کی ایک محتسب شوریٰ ہو جو کہ وقتاً فوقتاً ساتھیوں سے حساب لے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنے عاملوں سے پورا پورا حساب لیتے تھے کہ کون سا مال حاصل کیا اور کون سا خرچ کیا، جیسا کہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے ازد قبیلے کے ایک آدمی کو صدقات جمع کرنے پر مقرر کیا تھا، جب وہ واپس آیا تو نبی ﷺ نے اس سے حساب لیا، اس نے کہا کہ هذا لكم وهذا اهدى الى (یہ آپ لوگوں کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔)

نبی ﷺ نے خطاب کیا اور فرمایا کہ جب ہم کسی شخص کو کسی کام پر مقرر کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ آپ کا ہے اور یہ مجھے لوگوں نے ہدیہ دیا ہے افلا قعد فی بیت ابیه وامه فینظر ایهدی الیه ام لا (یہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھتا کہ پھر دیکھے کہ لوگ اس کو ہدیہ دیتے ہیں یا نہیں۔)

پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری روح ہے کہ جب ہم ایک شخص کو ایک کام پر مقرر کرتے ہیں اور وہ اس میں خیانت کرے تو قیامت کے دن وہ چیز اس کی گردن میں پڑی ہوگی۔ اگر اونٹ ہوگا تو اس کی آواز ہوگی، اگر گائیں یا بکری ہوگی تو اس کی اپنی آواز ہوگی۔ پھر نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور دو یا تین دفعہ فرمایا کہ اللهم هل بلغت (اے اللہ میں نے پہنچا دیا) (الحسبة لابن تیمیه ص۱۵)

ایک دفعہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اشعث بن قیس کو دس ہزار دیے، یہ بات عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس وقت شام کے امیر تھے، عمر رضی اللہ عنہ نے خط میں لکھا کہ خالد رضی اللہ عنہ سے ان دس ہزار کے بارے میں پوچھیں کہ اگر یہ دس ہزار ان کے اپنے تھے تو بھی اتنے پیسے ایک شخص کو دینا اسراف ہے، اور اگر یہ بیت المال کے تھے تو خیانت ہے،اور یہ بھی لکھا کہ خالد رضی اللہ عنہ کی مسؤولیت ختم کردو۔

خالد رضی اللہ عنہ اس وقت قنسرین کے مسؤول تھے۔ اس کے بعد خالد رضی اللہ عنہ نے قنسرین کے لوگوں سے خطاب کیا اور ان سے رخصت لے کر مدینہ منورہ آئے اور عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ مال میرا حصہ تھا غنیمتوں میں۔

بہر حال یہ واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ امراء اور مسؤولین سے اتنا سخت محاسبہ کیا جاتا تھا۔ (۲ وانظر التفصیل فی البدایة والنهایة ص ۹۳ جلد ۷ فی باب عزل خالد عن قنسرین ایضًا فی سنة ۱۷ھ)، اور پھر ساتھیوں کا احتساب کرنا دعوت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی حصہ ہے۔

"امر بالمعروف و نہی عن المنکر"، "حسبت" اور "احتساب" میں فرق:

یہ تین قسم کے الفاظ ہیں:

۱۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

۲۔ حسبت

۳۔ احتساب

امر بالمعروف کا معنی ہے لوگوں کو نیکیوں کی طرف بلانا اور نہی عن المنکر کا مطلب ہے لوگوں کو گناہوں سے روکنا، یہ ہر مسلمان کا فریضہ ہے، کیوں کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ

"تم میں ایک جماعت ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے ، نیکی کا حکم کرے اور گناہ سے روکے"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان

"جو شخص گناہ دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر ہاتھ سے نہیں روک سکتا تو زبان سے منع کرے، اگر زبان سے بھی نہیں روک سکتا تو دل میں اسے برا جانے۔"

حسبت کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وسيلة رسمية للقيام بهذا الواجب

"یہ اس واجب پر عمل کرنے کے لیے قانونی ذریعہ ہے۔"

کیوں کہ حسبت اسلامی حکومت کے اس قانونی وظیفے کو کہتے ہیں کہ جس کا خاص یہ کام ہوتا ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔ (الحسبة لابن تیمیہ ص۲)

"نصاب الاحتساب" میں کہتے ہیں کہ "حسبت " شریعت میں امر بالمعروف کو کہتے ہیں اس وقت کہ جب نیکی کا چھوڑنا واضح ہوجائے، اور نہی عن المنکر کو کہتے ہیں اس وقت کہ جب منکر ظاہر ہوجائے۔ (نصاب الاحتساب للشیخ عمر بن محمد ص۹)

اور محتسب اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو اسلامی حکومت کی طرف سے اس کام کے اجراء پر مقرر ہو۔اس موضوع پر علماء نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ بہر حال امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور حسبت اور احتساب تینوں ایک دوسرے سے نزدیک نزدیک ہیں اور ان کا معنی و مفہوم بہت وسیع ہے، کیوں کہ ہر نیکی کی طرف بلانا اور ہر برائی سے روکنا اس میں داخل ہے، اور ساتھیوں سے احتساب کرنا اس کا ایک حصہ ہے۔

احتساب نہ کرنے کے نقصانات:

شیخ عبد اللہ بن علی الغامدی نے احتساب نہ کرنے کے بہت سے نقصانات بیان کیے ہیں:

پہلا نقصان: عمومی عذاب

احتساب نہ کرنے کی وجہ سے عمومی عذاب آتا ہے، جیسا کہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی عام لوگوں کی وجہ سے خاص لوگوں کو عذاب نہیں دیتے لیکن جب واضح گناہ ہوتے ہیں تو سب عذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

حدیث شریف میں بھی یہی مضمون آتا ہے ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی قوم میں کوئی شخص گناہ کرتا ہے اور وہ قوم اسے منع کرنے پر قادر ہو لیکن اسے منع نہ کرے تو موت سے قبل اللہ تعالی ان سب پر عذاب لاتے ہیں۔

دوسرا نقصان: بہترین امت ہونے کی صفت ختم ہوجاتی ہے

احتساب نہ کرنے کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ اس سے اس امت کے بہترین ہونے کی صفت ختم ہوجاتی ہے، کیوں کہ اس امت

کو اللہ تعالیٰ نے جو بہترین امت کہا ہے وہ احتساب کی وجہ سے کہا ہے۔

تیسرا نقصان: لوگوں کو گناہ اچھے لگنے لگتے ہیں

مثلاً کچھ لوگوں میں کوئی خرابی اور نقص ہو اور ان سے اس کا احتساب نہ کیا جائے تو دوسرے لوگوں کو بھی وہ گناہ اچھا لگنے لگتا ہے۔

چوتھا نقصان: دعاؤں کا قبول نہ ہونا

احتساب نہ کرنے کا چوتھا نقصان یہ ہے کہ جب لوگوں میں کوئی نقص ہو اور ان کا احتساب نہ کیا جائے تو دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے:

مروا بالمعروف وانهوا عن المنكر قبل ان تدعوا فلا يستجاب لكم

"نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو، اس سے پہلے کہ تم دعائیں کرو اور وہ قبول نہ کی جائیں۔"

پانچواں نقصان:

جب احتساب نہیں کیا جاتا تو برے لوگوں کو نیک لوگوں پر جرئت پیدا ہوجاتی ہے۔ (رسالة: كن محتسبا لعبدالله بن علی الغامدی ص۲۲)

نظم سے متعلق اٹھویں بات: اپنی معزولی قبول کرنا

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب معزول کر دیے جائیں تو بھی اپنی رہبری اور کمانڈری نہیں چھوڑتے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جو نظم ہی کو چھوڑ دیتے ہیں، کسی اور نظم اور تحریک میں شامل ہوجاتے ہیں، بعض ایسے ہوتے ہیں جو اپنا الگ نظم اور جماعت بنالیتے ہیں، جس کی وجہ سے جماعتیں اور اختلاف بڑھ جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی ایک کمانڈر میں غلطی ہوتی ہے لیکن امیر اسے معزول نہیں کرسکتا، کیوں کہ پھر وہ نظم یا تحریک سے نکل جاتے ہیں، یا پھر الگ سے اپنا نظم اور تحریک بنالیتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس میں ماننے کا مادہ نہیں ہوتا، اس کے اندر بڑائی اور تکبر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اس میں عہدے اور کمانڈری کی سوچ ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس مجاہد کی بہت صفت فرمائی ہے جسے اپنے جہاد سے کام ہو اور اس میں ماننے کا مادہ ہو، بڑائی اور تکبر نہ ہو بلکہ عاجزی اور انکساری ہو، جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں آتا ہے:

طوبى لعبدٍ اٰخذٍ بعنان فرسه فی سبيل الله اشعث رأسه مغبرةٌ قدماه ان كان فی الحراسةِ كان فی الحراسةِ او كان فی الساقة كان فی الساقة ان استأذن لم يؤذن او ان شفع لم يشفع (بخاری)

”خوش بختی ہے اس بندے کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگامیں تھاما ہوا ہو، پراگندہ سر ہو، قدم غبار آلود ہوں، اگر پہرے پر مقرر کردیا جائے تو پہرہ کرے، اگر لشکر کے پچھلے حصے میں مقرر کردیا جائے تو پچھلے حصے میں اپنی خدمات ادا کرے، اگر اجازت چاہے تو اس کو اجازت نہیں ملتی، اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش بھی نہیں قبول کی جاتی۔"

یعنی وہ مجاہد بہت خوش قسمت ہے جو جہاد کے انتظار میں تیار بیٹھا ہو، اور اس کی حالت اتنی کمزور ہو کہ پراگندا سر پھرتا ہو، قدموں پر گرد پڑا ہو، اور ایسا اطاعت گزار ہو کہ اگر اسے لشکر کے آگے پہرے پر مقرر کردیا جائے تو پوری ایمانداری سے پہرہ کرے اور اس میں غفلت نہ برتے، سوئے نہ بلکہ ہر وقت بیدار رہے، اور اگر لشکر کے پچھلے حصے میں اسے رکھا جائے تو وہاں پر رہے، یعنی امیر کی پوری تابعداری کرے، جس جگہ لگا دیا جائے وہاں اپنی ڈیوٹی اور فریضہ انجام دے اور جو ہدایات اس کو دی جائیں اس پر پورا عمل کرے اور اس میں تکبر اور ضد و عناد نہ کرے۔

اللہ تعالی کے نزدیک ایسے مجاہد کا بہت اونچا مقام ہے، لیکن اس کے باوجود معاشرے میں اتنی سادگی، تواضع، عاجزی و انکساری سے رہتاہے کہ دنیا پرست لوگ اس کو کچھ اہمیت نہیں دیتے، یہاں تک کہ اگر لوگوں کی محفلوں میں شامل ہونا چاہے تولوگ اسے شریک ہونے کی اجازت نہیں دیتے، اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہیں کی جاتی۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المؤمنون هينون لينون كالجمل الأنف ان قيد انقاد وان انيخ على صخرة استناخ (رواه شرح السنة وشعب الايمان مشكواة باب الرفق والحيأ وحسن الخلق)

"مؤمن برداشت اور نرم خوی والا ہوتا ہے، نکیل ڈلے اونٹ کی طرح، اگر اس کو کھینچا جائے تو تابعداری کرتا ہے اور اگر پتھروں پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جاتا ہے۔"

اس حدیث میں مؤمن کی مثال نکیل والے اونٹ سے دی گئی ہے، اگر اس کو چلایا جائے تو چلتا ہے اور بٹھایا جائے تو بیٹھتا ہے، ہر حالت میں تابعدار ہوتا ہے۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

عمر رضی اللہ عنہ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ایک علاقے کا امیر بنایا اور پھر معزول کردیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ تم ناراض ہوگئے ہو لیکن میں لوگوں کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ "ونمن على الذين استضعفوا"۔ عمار رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جب آپ نے مجھے امیر بنایا تو اس پر خوش نہیں ہوا اور جب آپ نے معزول کیا تو ناراض نہیں ہوا۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

ایک دفعہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے رومیوں پر حملہ کیا، ان کا بہت سا مال غنیمت کیا اور بہت سے لوگ قید کیے۔ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ واپس آئے تو لوگ ان کے پاس آتے اور خرچہ اور تحفے مانگتے، ان لوگوں میں اشعث بن قیس رحمہ اللہ بھی آئے تو خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو دس ہزار خرچہ دیا۔ یہ بات عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو جو کہ اس وقت شام کے امیر تھے، خط لکھا کہ خالد رضی اللہ عنہ کو کھڑا کرکے ان کا عمامہ اور ٹوپی اتار کر اپنا عمامہ باندھو اور ان سے پوچھو کہ اگر یہ ان کا اپنا مال تھا تو اسراف کیا اور اگر بیت المال تھا تو خیانت کی، اور پھر مسؤولیت سے معزول کردو۔ (اس وقت خالد رضی اللہ عنہ قنسرین شہر کے امیر تھے۔)

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں منبر کے سامنے کھڑا کرکے منبر پر چڑھ گئے، بلال رضی اللہ عنہ اور دوسرا قاصد جو خط لائے تھے منبر کے سامنے کھڑے کیے گئے۔ پھر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ منبر سے نیچے اتر گئے اور خالد رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنا عذر پیش کیا کہ اس میں میرا کوئی اختیار نہیں ہے، خالد رضی اللہ عنہ نے بھی ان کا عذر قبول کیا اور وہ سمجھ گئے کہ

اس میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ یہ امیر الامؤمنین کی طرف سے ہے۔

پھر خالد رضی اللہ عنہ قنسرین گئے اور وہاں لوگوں سے رخصت لی اور اپنے گھر والوں کو حمص لے گئے اور وہاں بھی لوگوں سے خطاب کیا اور لوگوں سے رخصت لی اور مدینہ روانہ ہوگئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی صفت میں ایک شاعر کا شعر پڑھا:

صنعت فلم یصنع کصنعك صانع　　وما یصنع الاقوام فالله صانع

"تم نے ایسے کام کیے ہیں کہ تمھارے جیسے کام کوئی بھی نہیں کرسکتا اور قومیں کچھ بھی نہیں کرسکتیں، ہر کام اللہ تعالی کرتے ہیں"

پھر ان سے پوچھا کہ تمھارے پاس اتنے پیسے کہاں تھے کہ تم نے ایک شخص کو دس ہزار دیے تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ میرا غنیمتوں میں حصہ تھا۔

بہر حال خالد رضی اللہ عنہ معزول ہوگئے اور اپنی معزولی کو قبول کیا۔ (تاریخ طبری، البدایہ والنہایہ ص۴ج۷)

خالد رضی اللہ عنہ نے بہت زیادہ جنگیں کی تھیں، خصوصا جزیرۂ عرب میں مرتدین انہی کی جنگوں سے ختم ہوئے تھے، عراق میں بھی بہت جنگیں لڑیں، شام میں بھی یرموک کی اہم جنگ انہیں کی سربراہی میں لڑی گئی، کسی جنگ میں بھی وہ ناکام نہ ہوئے۔

جب سے خالد رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو اسی وقت سے نبی ﷺ نے ان کو مجاہدین کا امیر مقرر کردیا تھا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگوں میں میرے اور خالد رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں کیا اور خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالی کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جو اللہ تعالی نے کافروں اور منافقوں کے لیے نکالی ہے۔

خالد رضی اللہ عنہ اپنی ٹوپی میں رسول اللہ ﷺ کا بال مبارک رکھتے تھے اور فرماتے کہ جس جنگ میں میرے پاس یہ بال ہو تو اللہ تعالی مجھے اس میں نصرت اور فتح دیتے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ وہ رات جس میں میری ایک نئی دلہن سے شادی کرائی جائے، وہ رات مجھے اس رات سے زیادہ محبوب نہیں ہے کہ جو بہت ٹھنڈی اور سخت ہو اور میرے پاس مجاہدین کا ایک گروہ ہو اور صبح سویرے دشمن پر حملہ کرو۔

جب عراق میں "حیرہ" کے علاقے میں گئے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ یہاں احتیاط کریے گا، کہیں عجم آپ کو زہر نہ دے دیں تو خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زہر لاؤ، جب زہر لایا گیا تو اللہ تعالی کا نام لیا اور پیتے گئے، زہر نے کچھ اثر نہ کیا۔

ایک شخص کو ان کے پاس لایا گیا، اس کے پاس ایک مشک تھی جس میں شراب تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالی سے سوال کیا کہ اے اللہ اس کو شہد بنادیں، تو وہ شراب شہد بن گیا۔

جب آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو بنو مغیرہ کی عورتیں آپ رضی اللہ عنہ کے گھر میں جمع ہوگئیں اور رونے لگیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خالد رضی اللہ عنہ اس قابل ہیں کہ ان پر رویا جائے۔ (رسالۃ «خالد بن ولید» لابن تیمیہ)

بہر حال یہ تمام بیان یہ بتانے کے لیے کیا گیا کہ خالد رضی اللہ عنہ بڑے اونچے مرتبے کے صحابی ہیں، پورے شام کے امیر تھے، جب عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ان کو معزول کر دیا، لیکن اس کے باوجود اسی طرح قربانی دیتے رہے، بعد میں "قنسرین" کے امیر بنائے گئے ، پھر اس سے بھی بڑے سخت طریقے سے معزول کیے گئے لیکن بڑی خوشی سے اپنی معزولی قبول کی۔ جو شخص اللہ تعالی کے لیے کام کرتا ہے تو وہ اسی طرح خوشی سے اپنی معزولی کو قبول کرتا ہے۔

نظم سے متعلق نویں بات: اقتصاد کے لیے منصوبہ بندی کرنا

نظم اقتصاد کے بغیر نہیں بن پاتا، نظم اور اتفاق کے لیے مال بہت ضروری ہے ، کیوں کہ ساتھیوں کو رکھنا اور پالنا بغیر مال کے نہیں ہوسکتا۔ اسی وجہ سے " تحریر الاحکام" میں کہتے ہیں کہ تمام حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ملک اور حکومت کی بنیاد لشکر میں ہے اور لشکر (اور مجاہدین) کی تیاری بغیر مال کے نہیں ہوسکتی، کیوں کہ لشکر(اور مجاہدین) پر خرچہ ضروری ہے، اس کے سامان، گھر بار اور بیوی بچوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، کیوں کہ انہوں نے اپنی جانیں اسلام کی خدمت کے لیے اور اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے وقف کر دی ہیں، اور مال اس وقت آتا ہے کہ جب شہر آباد ہوں اور شہروں کی آبادی عدل و انصاف سے آتی ہو۔ (تحریر الاحکام ص: ۹٦)

"المنهج المسلوك" میں کہتے ہیں کہ مال حکومت کا چوتھا حصہ ہے اور بیت المال مملکت کا بہت بڑا رکن ہے، کیوں کہ لوگوں اور مجاہدین کے اخراجات کا تعلق بیت المال سے ہے۔ اسی طرح حکومت کی حالت اور بادشاہ کی عزت کا تعلق بھی بیت المال سے ہے، جتنا بیت المال قوی ہوگا اتنا ہی حکومت قوی اور امیر کی عزت زیادہ ہوتی ہے۔ بیت المال قوی و مضبوط ہو تو فوج اور رعیت کا حوصلہ بھی مضبوط ہوتا ہے۔ اس وجہ سے بیت المال کی حفاظت فرض ہے۔

بیت المال میں احتیاط سے کام لینا چاہیےاور بااعتماد و امین لوگوں کے حوالے کرنا چاہیے، اسراف سے بچنا چاہیے اور نااہل لوگوں کو مال نہیں دینا چاہیے اور حقداروں کو منع نہیں کرنا چاہیے، خصوصا فوج اور مجاہدین کو ، کیوں کہ اگر ان پر خرچہ نہ کیا جائے تو حکومت تباہی کا شکار ہوجائے گی۔

سابور بادشاہ کا واقعہ

فارس کے بادشاہ "سابور" نے سونے کے ستون بنائے ہوئے تھے جو کہ خزانے کے دروازے پر لگائے ہوئے تھے اور خزانچی اس پر بیٹھتے تھے، اس وجہ سے بادشاہ کا رعب اور احترام بہت زیادہ تھا۔ اس بادشاہ کے بعد اس کے پوتے کو حکومت مل گئی، وہ فضول خرچی کرتا تھا، جس کی وجہ سے مال تیزی سے خرچ ہونے لگا، جب ان ستونوں کی باری آئی تو اس نے آگ پر ان ستونوں کو پگھلایا، یہ ستون کھوکھلے تھے اور ان کے بیچ میں مٹی بھری ہوئی تھی۔ جب لوگوں کو یہ راز پتہ چلا تو اس بادشاہ کا رعب اور عزت ختم ہوگئی اور دشمنوں میں جرئت پیدا ہوگئی۔

دوسرا واقعہ:

مصر کا ایک بادشاہ تھا جس نے مٹی سے ایک مٹکہ بنایا اور اس میں پگھلا ہوا سونا ڈال دیا، پھر اس کے بعد جب اس مٹکے کو توڑا تو سونا گول شکل میں رہ گیا، اس نے وہ اپنے محل کے باہر رکھوادیا، لوگ اس پر بیٹھتے۔ یہ کام اس نے اس لیے کیا تاکہ فوج کا حوصلہ قوی رہے اور ملک کی عزت بنی رہے۔

ان اسباب کی وجہ سے بیت المال کی حفاظت فرض ہے۔ (المنهج المسلوك في سياسة الملوك للشيخ عبد الرحمٰن بن عبد الله المتوفى

۵۸۹ھ ص ۲۲۶)

اور بیت المال قوی اور مضبوط کرنا چاہیے اور اس کے لیے جو بھی حلال اور جائز راستے ہوں ان کو اختیار کرنا چاہیے۔

بیت المال کی آمدنی اور اس کے جائز راستے:

بیت المال میں جو مال آتا ہے اور اس کے جو راستے ہیں اس کی بہت سی قسمیں ہیں:

ا۔ اول قسم: زکوۃ

زکوۃ چاہے نقدی ہو یا جانور ہوں یا فصلوں کی پیداوار یا سامانِ تجارت۔ اس میں وہ عشر (دسواں حصہ) بھی داخل ہے جو کہ مسلمان تاجروں سے لیا جاتا ہے، جب کہ وہ "عاشر" (عشر لینے والے) کے پاس سے گزرتا ہے۔

۲۔ دوسری قسم غنیمت کا خمس ہے۔

۳۔ تیسری قسم کانوں کا خمس ہے۔ وہ کانیں جو سونا ، چندی یا لوہے وغیرہ کی ہوتی ہیں۔

۴۔ چوتھی قسم خزانوں کا خمس ہے، یعنی وہ خزانے جو کفار نے دفن کیے ہوں اور مسلمان اس کو پالیں تو اس کا خمس بیت المال ہے اور باقی اس کے حاصل کرنے والے کا ہوگا۔

۵۔ پانچویں قسم مالِ فئ ہے۔ مالِ فئی اس مال کو کہتے ہیں جو کہ کفار سے بغیر جنگ کے لیا جائے۔

مالِ فئ کی اقسام:

ا۔ پہلی قسم وہ زمینیں اور سامان ہیں جو کفار مسلمانوں کے ڈر کی وجہ سے چھوڑ کر چلے جائیں ۔

۲۔ دوسری قسم وہ زمین اور سامان جو کفار کسی تکلیف کی وجہ سے چھوڑ کر چلے جائیں۔

۳۔ تیسری قسم خراج ہے۔ خراج اس آمدنی کو کہتے ہیں جو حاکم یا اس کے نائب کی طرف سے خراجی زمینوں پر مقرر ہو۔

خراج کی تفصیل:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ زمین کی دو قسمیں ہیں، آباد اور ویران (ویران زمین کے اپنے احکام ہیں جو کہ "احیاء الموات" میں ذکر کیے جاتے ہیں)۔

آباد زمین کی بھی پھر دو قسمیں ہیں، خراجی اور عشری۔

خراجی زمین کی پھر تین قسمیں ہیں، ایک وہ ہے جو مسلمان صلح کے ذریعے فتح کریں ، اس طور پر کہ زمین تو مسلمانوں کی ہوگی اور کفار کو اس میں رہنے کی اجازت ہوگی اور وہ مسلمانوں کو خراج دیں گے۔

دوسری قسم وہ زمین ہے جو مسلمان طاقت سے حاصل کریں اور پھر مجاہدین کی رضا اور مشورے سے مسلمانوں کے لیے وقف کردیں اور ان پر خراج مقرر کریں، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے "سواد العراق" کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا۔

تیسری قسم وہ زمین ہے جسے کفار مسلمانوں کے ڈر کی وجہ سے چھوڑ کر بھاگ جائیں، یہ زمین مسلمانوں کے لیے وقف ہوگی اور ہر وہ شخص جو اس زمین پر رہے اور اس سے فائدہ حاصل کرے، چاہے مسلمان ہو یا ذمی ، اس پر خراج مقرر ہوگا۔

ان تینوں قسموں میں امیر کو اختیار ہے کہ وہ اس پر خراج مقرر کرے یا زمینداری کے لیے دے، جیسا کہ نبی ﷺ نے خیبر والوں کو زمین آدھی پیداوار پر دی تھی۔

چوتھی قسم وہ زمین ہےجس پر کفار سے صلح کرلی جائے کہ یہ زمین تمھاری ہی ہوگی اور ہمیں تم خراج دوگے، یعنی یہ خراج حقیقت میں جزیہ ہے۔ جب کبھی وہ ایمان لے آئیں یا اس زمین کی ملکیت مسلمانوں کو منتقل ہوجائے تو اس سے خراج ساقط ہوجائے گا، کیوں کہ یہ اصل میں جزیہ ہے اور جزیہ مسلمان پر نہیں ہوتا۔

بہر حال تمام صورتوں میں یہ خراج مالِ فیئ ہے جو کہ بیت المال کو دیا جائے گا۔

دویم قسم : عشری

آباد زمینوں کی دوسری قسم عشری ہے، عشری زمین کی بھی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جسے مسلمانوں نے ہی شروع سے آباد کیا ہو، جیسا کہ بصرہ یا بعض دیگر شہر اور ویران زمینیں جنہیں مسلمانوں نے ہی آباد کیا ہو۔

عشری زمین کی دوسری قسم وہ ہے جس کے لوگ خود سے ایمان لے آئیں بغیر کسی جنگ اور صلح کے۔

عشری زمین کی تیسری قسم وہ ہے جو مسلمان طاقت کے زور پر فتح کریں اور مجاہدین کے درمیان تقسیم کردی جائے اور انہیں کی ملکیت میں رہے۔

ان تینوں قسموں میں خراج نہیں ہے، بلکہ ان کی فصلوں اور میووں میں زکوۃ دی جائے گی ۔ اس کا بیان پہلے گزرچکا ہے کہ یہ زکوۃ بیت المال کے حوالے کی جائے گی۔

مالِ فئ کی چوتھی قسم جزیہ ہے۔ جزیہ اس مال اور آمدن کو کہتے ہیں جو کفار پر مسلمانوں کے شہروں میں وقت گزارنے کی وجہ سے مقرر کیا جائے۔

مالِ فئ کی پانچویں قسم ذمیوں کا عشر ہے۔ ذمی کا عشراس ٹیکس کو کہتے ہیں جو ذمیوں کے اس مال سے لیا جاتا ہے جو کہ تجارت کی غرض سے دارِ حرب لے جایا جائے یا دارِ حرب سے دارِ اسلام میں لایا جائے۔ یہ ان سے سال میں ایک دفعہ لیا جاتا ہے جب تک وہ دارالاسلام سے نکل کر واپس نہ آجائیں۔

اسی طرح عشر حربی کافروں سے بھی لیا جاتا ہے، جب کہ وہ امن لے کر دارالاسلام میں تجارت کا سامان لے کر آئیں۔

مالِ فئ کی چھٹی قسم وہ مال ہے جو حربیوں سے صلح میں لیا جائے۔

مال فئ کی ساتویں قسم مرتد اور زندیق کا مال ہے ، جبکہ وہ مر جائیں یا مار دیے جائیں، ان کے مال میں میراث نہیں ہوتی بلکہ وہ مالِ فئ بن جاتا ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ ، امام مالک اور امام احمد رحمهم الله کا مذہب ہے، البتہ فقہ حنفی

میں مرتد کے مال میں کچھ تفصیل ہے۔

مالِ فئ کی آٹھویں قسم اس ذمی کا مال ہے جو کہ مر جائے اور اس کا وارث نہ ملے۔

مالِ فئ کی نویں قسم وہ زمین ہے جو کفار سے جنگ کے ذریعے غنیمت کے طور پر لی جائے اور پھر مجاہدین میں تقسیم نہ کی جائے، لیکن یہ ان حضرات کے مذہب میں صحیح ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ زمین مجاہدین میں تقسیم نہیں کی جائے گی۔

آمدم بر سر مطلب:

بہر حال یہاں تک بیت المال کی چودہ قسم کی آمدنی بیان کی گئی اور نو قسمیں مالِ فئ میں بنتی ہیں، یہ کل تیرہ قسمیں ہوئیں ۔

۱۴۔ بیت المال کی چودھویں قسم وہ ہبہ اور تبرع ہے جو بیت المال کو دیا جائے، جیسے کوئی وصیت کرے کہ میرے مال میں سے اتنا حصہ جہاد کے لیے بیت المال کو دیا جائے۔

۱۵۔ بیت المال کی آمدنی کی پندرہویں قسم وہ ہدیے اور تحائف ہیں جو قاضیوں کو دیے جائیں، یہ پہلے اپنے مالک کو دیے جائیں گے ، اگر مالک کو واپس نہ کیے جاسکیں تو بیت المال کو دے دیے جائیں گے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن اللتبیہ سے وہ مال لے لیے تھے جو ان کو ہدیے میں دیے گئے تھے۔

۱۶۔ سولھویں قسم وہ ٹیکس اور خرچے ہیں جو عوام اور رعیت پر مقرر کیے جاتے ہیں، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ جب ضرورت ہو اور بیت المال خالی ہو۔ علامہ شامی اور علامہ ابو یعلی کہتے ہیں کہ اگر ضرورت نہ ہو اور بیت المال میں خرچہ موجود ہو تو عوام پر ٹیکس مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ (ابن عابدین ص ۵۷ جلد ۲ الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ص ۲۳۰)

امام نووی رحمہ اللہ کا واقعہ:

امام نووی رحمہ اللہ کے دور میں ظاہر بیبرس بادشاہ شام میں تاتاریوں کے خلاف جہاد کر رہا تھا۔ انہوں نے علماء سے فتویٰ طلب کیا کہ کیا جہاد کے لیے رعیت سے مال لینا جائز ہے یا نہیں؟

امام نووی رحمہ اللہ نے انکار کردیا اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تمھارے پاس ہزار غلام ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے پاس سونا ہے اور دو سو باندیاں ہیں جن میں سے ہر ایک کے پاس زیورات ہیں، جب یہ سونا اور زیورات ختم ہوجائیں تو پھر میں فتویٰ دوں گا کہ اب تمھارے لیے رعیت سے جہاد کے لیے مال لینا جائز ہے۔

(رسالۃ: «کن محتسبا» لعبد اللہ بن علی الغامدی ص۵)

بہر حال جب ضرورت ہو اور بیت المال میں کچھ نہ ہو تو پھر رعیت پر مناسب مال مقرر کرنا جائز ہے۔

۱۷۔ بیت المال کی آمدن کی سترہویں قسم ضائع شدہ مال ہیں۔ ضائع شدہ مال وہ ہوتے ہیں جو اس حالت میں ملیں کہ ان کا مالک معلوم نہ کیا جاسکے، جیسا کہ لقطہ یا امانت یا رہن یا وہ مال جو چوروں کے پاس ہوں اور کوئی اس کا طلب گار نہ ہو، تو ایسا مال بیت المال میں رکھ دیا جائے گا۔

۱۸۔ بیت المال کی آمدن کی اٹھارویں قسم اس شخص کی میراث ہے جو مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو، یا کوئی شخص قتل کردیا جائے اور اس کا وارث نہ ہو تو اس کی دیت بیت المال کے حوالے کی جائے گی۔

۱۹۔ بیت المال کی آمدن کی انیسویں قسم تاوان ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص زکوۃ دینے سے انکار کرے تو اس سے تاوان میں اس کا آدھا مال لے لیا جائے۔ یہی قول اسحاق بن راہویہ اور ابوبکر عبد العزیز رحمهما الله کا ہے۔

امیر اور امارت

امیر اور اِمارت

الحمد لله والصلوٰة والسلام علی رسول الله امابعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم وزاده بسطة فی العلم والجسم وقال تعالی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ

اس بیان کا موضوع امیر اور امارت ہے۔ امیر کے بغیر جہاد نہیں ہوسکتا اس لیے جہاد کے لیے امیر ضروری ہے اور پھر امیر کی سمع و طاعت ضروری ہے، اس وجہ سے ہم یہاں امارت کے موضوع پر کچھ وضاحتیں کریں گے:

پہلی وضاحت: اِمارت کی اہمیت

اِمارت کا قیام دین کے بڑے فرائض و واجبات میں سے ہے بلکہ دین و دنیا امارت کے بغیر قائم نہیں ہو سکتے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ انسانوں کو چوں کہ ایک دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے وہ اجتماعیت اوار ایکے کا محتاج ہیں، اور اجتماعیت کے لیے امیر کی ضرورت ہوتی ہے، حتیٰ کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اذا خرج ثلاثة فی سفر فلیؤمروا احدھم

"جب تین لوگ سفر پر نکلیں تو ایک کو امیر بنائیں۔"

مسند احمد کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لا یحل لثلاثة یکونون بفلاة من الارض الا امروا علیھم احدھم

"وہ تین لوگ جو کسی دشت میں ہوں، ان کے لیے جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ کسی کو امیر مقرر کریں۔"

آپ دیکھیں کہ سفر میں معمولی سا عارضی اجتماع ہے لیکن پھر بھی نبی ﷺ امیر مقرر کرنے کو فرض قرار دے رہے ہیں۔اس حدیث میں اس بات کی تنبیہ ہے کہ ہر اجتماع میں امیر مقرر کرنا ضروری ہے۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد، عدل، حج، جمعہ و عیدین، مظلوم کی مدد کرنا وغیرہ فرض کیے ہیں، یہ تمام کام قوت اور اِمارت کے بغیر نہیں کیے جاسکتے، کیوں کہ ان کاموں کے لیے قوت کی ضرورت ہوتی ہے اور قوت اجتماعیت سے آتی ہے اور اجتماعیت امارت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے جبکہ ایک امیر کی سمع و طاعت کی جائے۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ستون سنة مع امام جائر اصلح من لیلة واحدة بلا سلطان (ساٹھ سال ایک ظالم امیر کے ساتھ گزارنا بہت فائدہ مند ہے اس ایک رات سے جو بغیر بادشاہ کے گزاری جائے)۔ یعنی ایک امیر کے تحت وقت گزارنا اگرچہ وہ امیر ظالم ہی کیوں نہ ہو، بہت بہتر ہے اس وقت سے جو کسی امیر کی قیادت کے بغیر ہو۔اس لیے ضروری ہے کہ ہر کوئی امیر کے تحت وقت گزارے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بات تجربے سے پتہ چلتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سَلَف صالحین جیسا کہ فضیل بن عیاض، امام احمد بن حنبل اور دیگر رحمہم اللہ کہتے تھے:

لو كان لنا دعوة مجابة لدعونا بها للسلطان (السياسة الشرعية لابن تيمية ص: ١٦٨)

اگر ہمارے پاس کوئی ایسی خصوصی دعاء ہوتی جو اللہ تعالی قبول کرتے تو ہم وہ دعاء حاکم کے لیے کرتے۔

دوسری وضاحت: امیر کی صفات

بعض لوگ امیر کے انتخاب اور چناؤ میں غلطی کرجاتے ہیں، یہ سوچ نہیں کرتے کہ امیر میں کون کون سی صفات ہونی چاہییں۔ اس لیے جب بھی کسی کو امارت یا کوئی سربراہی حوالے کی جائے تو اس میں کچھ صفات کا خیال رکھنا ضروری ہے:

ا۔ امیر کی صفات میں سے ایک علم و جسم ہے ،جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ یعنی طالوت علیہ السلام امارت کے اس لیے لائق ہیں کیوں کہ ان کا علم بھی زیادہ ہے اور وہ جسمانی لحاظ سے بھی صحت مند ہیں۔

جب امیر کے پاس قرآن و حدیث کا صحیح علم ہو تو وہ صحیح فیصلے کرتا ہے، حق و باطل اور جائز و ناجائز کے درمیان تمیز کرتا ہے، اور جب صحت مند جسم والا ہو تو اس کو کام چلانے کی قدرت حاصل ہوتی ہے اور لوگوں پر اس کا رعب بھی ہوتا ہے۔

۲۔ امیر کی دوسری صفت امانت ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ (میں اس کام میں قدرت اور امانت والا ہوں۔)

اسی طرح اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ

"یقینا آپ نے جس کو مزدوری کے لئے لیا ہے وہ قوت اور امانت والا ہے۔"

یعنی جب کسی کام کے لیے کسی کا انتخاب کریں تو اس میں قدرت کو دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ کام چلانے کی قدرت رکھتا ہے اور کام کرسکتا ہے یا نہیں، کیوں کہ کام چلانا اور سنبھالنا ایک مشکل کام ہے۔

دوسری چیز امانت ہے کہ کام میں خیانت اور دھوکہ بازی سے کام نہ لے بلکہ اچھی طرح اخلاص سے کام کرے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں علم اور شخصی تقویٰ بہت ہوتا ہے لیکن کام چلانے کی قدرت نہیں ہوتی، ساتھیوں کے لیے راستہ نہیں بنا سکتے، تو ایسے ساتھیوں کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے بلکہ ایسے لوگوں کا انتخاب کرنا چاہیے جو کام چلا سکتے ہوں اور ساتھیوں کے لیے راستہ اور سڑک بنا سکتے ہوں، چاہے ان میں علم اور تقویٰ کم ہی کیوں نہ ہو۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کام کو نہ دیکھو بلکہ علماء اور نیک لوگوں کو آگے کرو، یہ بات غلط ہے، سب سے پہلے اس بات کا خیال کرنا چاہیے کہ کام چلا سکتا ہے یا نہیں، کیوں کہ اگر کوئی شخص اچھا عالم اور متقی ہو مگر کام نہ چلا سکتا ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ انسان کے شخصی تقویٰ کو بہت نہیں دیکھتے تھے بلکہ اس شخص کا انتخاب کرتے تھے جو کام چلاسکتا ہو۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جنگ کے لیے اس شخص کا انتخاب کرنا چاہیے جو کام چلا سکتا ہو اور بہادر ہو، اگرچہ گناہ گار اور

فاسق ہو، اسے اس شخص پر مقدم کرنا چاہیے جو کام نہ چلاسکتا ہو اگرچہ امانت دار اور متقی ہو۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ دو امیر ہوں ، ایک فاسق و فاجر ہو لیکن کام چلاسکتا ہو اور دوسرا نیک و متقی ہو لیکن کام نہیں چلا سکتا ہو، کس کی امارت میں جہاد کیا جائے گا؟ امام احمد نے جواب دیا کہ اس امیر کی امارت میں جو کام چلا سکتا ہو اگرچہ فاسق و فاجر ہو۔

کیوں کہ جب کام چلا سکتا ہوگا تو اس کا فائدہ دوسرے مسلمانوں کو پہنچے گا جبکہ اس کے گناہ کا تعلق اس کی اپنی ذات سے متعلق ہے، اور جو شخص کام نہیں چلا سکتا تو اس کا نقصان دوسرے مسلمانوں کو پہنچے گا جبکہ اس کے تقوے کا تعلق اس کی ذات سے ہے۔ (کذا فی حسن السلوک الحافظ دولۃ الملوک ص۹۵)

بعض علماء کہتے ہیں کہ جب کسی کو مسؤولیت اور ذمہ داری دی جائے تو اس میں درج ذیل صفات ہونی چاہییں۔ ایک یہ کہ وہ مدبر ہو یعنی کام کے لیے تدبیر کرسکتا ہو۔ دوسرا یہ کہ اس میں تقویٰ ہو۔ تیسرا یہ کہ وہ بہادر ہو۔ چوتھا یہ کہ اس میں شفقت ہو۔ پانچواں یہ کہ اس میں سخاوت ہو۔ اگر اس میں یہ تمام صفات نہ ہوں تو چاہیے کہ پہلی دو صفات تو ضرور ہوں۔ (اِمارتِ اسلامیہ کے لائحے میں بھی ایسے ہی لکھا ہے)

محمد بن عبد الکریم الموصلی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

والولایۃ لھا رکنان القوۃ والامانۃ «

"امارت کے دوارکان ہیں ایک قوت اور دوسرا امانت۔"

یعنی امیر میں یہ دو صفات ہونی چاہییں، ایک قوت تاکہ کام چلاسکے اور دوسری امانت داری۔ پھر کہتے ہیں کہ آج کل لوگوں میں یہ دو صفات جمع ہونا بہت کم ہے (اور اگر کسی شخص میں تقوی اور امانت داری کم ہو لیکن کام چلا سکتا ہو تو چاہیے کہ اُسے امارت دے دی جائے)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر

"یقینا اللہ تعالی کبھی اس دین کو فاسق و فاجر کے ذریعے بھی مضبوط کرتے ہیں۔"

پھر کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص فاسق و فاجر نہ ہو بلکہ متقی ہو اور کام بھی چلا سکتا ہو تو یہ شخص جنگ کی امارت کا زیادہ لائق ہے اُس شخص سے جو اس سے زیادہ تقوی دار ہو۔ ایک کا تقوی کم ہے لیکن وہ جنگی امور جانتا ہے، اور دوسرے کا تقوی زیادہ ہے لیکن وہ جنگی امور نہیں سمجھتا تو اِمارت کا حقدار وہ شخص ہے جو تقویٰ میں تو کم ہو لیکن جنگی امور سمجھتا ہو۔

اسی وجہ سے جب سے خالد رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو نبی ﷺ جنگوں کی اِمارت انہی کو دیتے تھے، باوجود اس کے کہ ان سے بہتر صحابہ کرام موجود تھے، لیکن خالد رضی اللہ عنہ جنگ کی ترتیبات زیادہ جانتے تھے۔

اسی طرح محمد بن عبد الکریم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جب عمومی امیر نرم ہو تو اس کا نائب سخت

ہونا چاہیے، اور اگر عمومی امیر سخت مزاج ہو تو اس کا نائب نرم مزاج ہونا چاہیے، تاکہ کام صحیح چلتا رہے، جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ خالد رضی اللہ عنہ کو پسند فرماتے تھے کیوں کہ وہ نرم مزاج تھے اور خالد رضی اللہ عنہ سخت مزاج تھے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انہوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کردیا اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کردیا کیوں کہ وہ نرم مزاج تھے۔ چناں چہ کام صحیح اور درمیانہ طریقے سے چلتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ میں دونوں صفات تھیں، آپ ﷺ نرم بھی تھے اور سخت بھی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انا نبی الرحمة وانا نبی الملحمة

" میں نبیِ رحمت ہوں اور میں جنگوں والا نبی ہوں۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انا الضحوك القتال

"میں ہنسنے والا اور جنگ کرنے والا ہوں۔"

یعنی دوستوں سے نرمی کرتا ہوں اور دشمنوں سے جنگ اور سختی کرتا ہوں۔ یہی صفت آپ ﷺ کے امتیوں کی بھی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے بارے میں فرمایا:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

یعنی مؤمنین کفار کے مقابلے میں شدت پسند اور آپس میں رحم کرنے والے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ

" مؤمنوں کے مقابلے میں نرم ہوتے ہیں اور کافروں کے مقابلے میں سخت۔"

اگر ایک آدمی کوئی ذمہ داری پوری نہیں کرسکتا تو ایک ہی ذمہ داری متعدد لوگوں کو بھی دی جاسکتی ہے۔ بہر حال کام مقصد ہے چاہے ایک آدمی کرے یا متعدد لوگ۔

تہمت اور شک کی وجہ سے کسی کو معزول کرنا:

شیخ محمد بن عبد الکریم شیخ عز الدین بن عبد السلام سے نقل کرتے ہیں کہ اگر ایک کسی امیر پر شک اور تہمت ہو تو عمومی امیر اسے معزول کرسکتا ہے۔ اگر شک اور تہمت نہ ہو تو پھر اس کی تین حالتیں ہیں، اگر حقیقیت میں تہمت اور شک نہ ہو تو اس کو معزول کرنے کی تین حالتیں ہیں، ایک حالت یہ ہے کہ بہتر شخص کو معزول کرے اور اس کی جگہ اس سے ادنیٰ شخص کو مقرر کرے، ایسی معزولی جائز نہیں، کیوں کہ اس بہتر شخص کو معزول کرنے سے مسلمانوں کے مفادات کو نقصان پہنچے گا۔

دوسری حالت یہ ہے کہ اس بہتر شخص کو معزول کرے اور اس کی جگہ اُس سے بہتر شخص کو مقرر کرے۔ یہ معزولی نافذ اور جائز ہے، کیوں کہ اس پہلے شخص میں فائدہ ہے لیکن اس دوسرے میں مسلمانوں کے لیے زیادہ فائدہ ہے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ اس بہتر شخص کو معزول کرے اور اس کی جگہ اس سے بہتر نہ بلکہ اسی کے برابر شخص کو مقرر کرے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ معزولی جائز ہے کیوں کہ ان دونوں کے انتخاب کے بارے میں اسے پہلے بھی اختیار تھا تو بعد میں بھی اسے اختیار ہوگا۔ جبکہ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ معزولی جائز نہیں ہے کیوں کہ اس سے پچھلے کا دل ٹوٹے گا، اور کسی مسلمان کا دل توڑنا اور اسے اداس کرنا جائز نہیں ہے۔ بہر حال یہ تین صورتیں ہیں جن میں سے ایک جائز ، دوسری ناجائز اور تیسری میں اختلاف ہے۔

کسی کو معزول کرنے سے پہلے تحقیق کرنا:

جب کسی کے بارے میں عمومی امیر کو شکایت پہنچے تو اسے چاہیے کہ پہلے تحقیق کرے کہ اس میں یہ غلطی ہے بھی یا ویسے ہی الزام لگایا گیا ہے۔ اس کے بعد اس کے معزول کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں وہ فیصلہ کرے کہ جس میں مسلمانوں کا فائدہ ہو۔

عمر اور سعید بن عامر رضی اللہ عنہما کا واقعہ:

عمر رضی اللہ عنہ نے سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو حمص کا والی مقرر کیا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ شام کے دورے میں حمص پہنچے تو وہاں لوگوں سے پوچھا کہ تمھارا والی کیسا ہے تو لوگوں نے ان کی شکایتیں کیں۔ حمص کو لوگ "کویفۃ" یعنی چھوٹا کوفہ کہتے تھے، کیوں کہ کوفہ والے اپنے امراء کی بہت شکایتیں کرتے تھے اور اسی طرح حمص والے بھی اپنے امراء اور والیوں کی شکایتیں کرتے تھے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے حمص کے والی سعید بن عامر رضی اللہ عنہ اور قوم کو جمع کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تمھارے ان پر کیا اعتراضات ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہماری ان کے بارے میں چار شکایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ گھر سے دیر سے آتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تمھارا اس بارے میں کیا جواب ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! اس بات کا ذکر مجھے پسند نہیں ، اصل میں میری زوجہ کا کوئی خادم نہیں ہے، میں خود آٹا گوندتا ہوں، پھر اس کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہوں کہ وہ خمیر ہوجائے، پھر اس کی روٹی پکا تا ہوں، پھر وضوء کرنے کے بعد نکل آتا ہوں۔

دوسری شکایت انہوں نے یہ کی کہ یہ رات میں کسی کے لیے نہیں نکلتے۔ سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اس کا جواب دینا بھی پسند نہیں کرتا، البتہ میں نے دن ان کو دیا ہے اور رات اللہ تعالی کو دی ہے۔

تیسری شکایت انہوں نے یہ کی کہ یہ مہینے میں ایک دن چھٹی کرتے ہیں اور اس دن گھر سے نہیں نکلتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میرا خادم نہیں ہے اور نہ ہی میرے پاس دوسرے کپڑے ہیں ، یہی ایک جوڑا ہے (حالاں کہ وہ گورنر تھے)، میں خود کپڑے دھوتا ہوں اور پھر ان کے سوکھنے تک گھر میں انتظار کرتا ہوں اور پھر دن کے آخری حصے میں ان کے لیے نکلتا ہوں۔

چوتھی شکایت انہوں نے یہ کی کہ کبھی کبھی ان پر ایک قسم کی بے ہوشی آتی ہے (موت کی طرح)۔ انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ جب خبیب رضی اللہ عنہ کو مکہ میں شہید کیا جارہا تھا تو میں اس وقت وہاں موجود تھا، ان کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے اور پھر سولی پر چڑھا دیے گئے۔ جب ان کو سولی پر چڑھایا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمھاری جگہ محمد ﷺ قتل کیے جائیں؟ خبیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں تو ان کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ پھر خبیب رضی اللہ عنہ نے ایک آواز نکالی "یا محمد"۔ چناں چہ مجھے جب یہ منظر یاد آجاتا ہے کہ میں اس وقت

مشرک تھا اور میں نے خبیب رضی اللہ عنہ کی اس وقت مدد نہیں کی تو میرے ذہن میں یہ بات آجاتی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالی میری کبھی بھی مغفرت نہیں کریں گے، مجھ پر اس کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہوجاتی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الحمد للہ کہ ان کے انتخاب میں میری رائے صحیح ثابت ہوئی کہ ان میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ہزار اشرفیاں بھیجیں کہ انہیں اپنی ضروریات میں خرچ کریں۔ جب انہیں یہ اشرفیاں پہنچیں تو انہوں نے وہ بیواوں، یتیموں اور مسکینوں میں تقسیم کردیں۔ (یہ تمام تحقیق ہم نے «حسن السلوك الحافظ دولة الملوك لمحمد بن محمد بن عبد الكريم الموصلي الشافعي رحمه الله» سے نقل کیا ہے من ص ۹۳ الی ۱۰۸)

بہر حال جب بھی کسی کے بارے میں شکایتیں آئیں تو پہلے تحقیق کرنی چاہیے۔

تیسری وضاحت: ایک امیر

یعنی اصل اور سنت طریقہ یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کا ایک ہی عمومی امیر ہو جسے امام یا خلیفہ یا امیر المؤمنین کہاجاتا ہے، اور باقی امراء جو مختلف علاقوں اور مختلف کاموں پر مقرر ہوتے ہیں ، اس کے نائب ہوتے ہیں۔ صحابہ ، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں یہی طریقہ تھا۔اس سے امت میں وحدت اور اتفاق پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس عمومی اور شرعی امیر کے مقابلے میں کوئی خلاف اور بغاوت کرے تو اس کو منع کرنا چاہیے، چاہے اس کے قتل کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو، اس کے بارے میں بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں۔ (الاحكام السلطانيه للماوردی ص ۵ ، الفصل فی الملل والاهوأ والنحل لابن حزم ص ۱۰۶ جلد ۴ ، مجوع الفتاوٰی ص ۱۷۵ جلد ۳۴ ، الخلافة للشيخ رشيد رضا ص ۵۶۔)

چوتھی وضاحت: امراء کی تعداد

اگر یہ اصل اور سنت طریقہ چھوڑ دیا جائے اور الگ الگ حکام مقرر ہوجائیں یعنی ہر ہر ملک یا ہر ہر علاقے میں جدا جدا حاکم مقرر کردیے جائیں اور وہ قوت اور استقلال والے بھی ہوں تو ان امراء کے لیے دو باتیں لازمی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ امراء توبہ کریں اور عمومی امیر کی طاعت کریں۔ دوسرا یہ کہ جس علاقے یا ملک میں ان کا زور ہے اس میں شرعی نظام جاری کریں۔ اگر پہلی بات پر عمل نہ کیا تو گناہ اور اللہ کی نافرمانی کی اور دوسری بات پر عمل کیا یعنی شرعی نظام جاری کیا تو اس امیر کی رعیت پر اس ملک اور علاقے میں اپنے امیر کی سمع و طاعت فرض ہے۔

دلائل:

اگر حکام متعدد ہوں اور شرعی نظام نافذ کریں تو ہر کسی پر اپنے علاقے میں اپنے امیر کی سمع و طاعت فرض ہے، کیوں کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء:۹۵)

"اے مومنو! اطاعت کرو اللہ تعالی کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ اور امراء کی۔"

اس کی دوسری دلیل مسلم شریف میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

ستكون امراء فتعرفون وتنكرون

"عنقریب تم پر ایسے امیر مقرر ہوں گے ، ان کے بعض کام شریعت کے مطابق ہوں گے اور بعض شریعت کے خلاف۔"

مسلم شریف کی دوسری حدیث میں آتا ہے:

خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم

"تمھارے بہترین حکام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔"

ان دونوں حدیثوں میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آئندہ زمانے میں حکام متعدد ہوں گے۔ (کتاب الحدود و السلطان لعبد اللہ قادری الاھدل ص ۶۱)

ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا ایک امام ہو، اگر کسی وجہ سے یہ سنت طریقہ چھوٹ جائے اور متعدد امیر مقرر ہوجائیں تو ہر امیر پر فرض ہے کہ وہ حدود جاری کرے۔ (مجموعی الفتاوٰی ۱۷۵ جلد ۳۴)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب اسلام پھیل جائے اور اسلامی علاقوں میں کشادگی آجائے اور ہر علاقے اور ملک میں جدا جدا حکام مقرر ہو جائیں اور ایک حاکم کا حکم دوسرے ملک میں نہ چلے تو اس وقت متعدد حکام ہونے میں کوئی نقصان نہیں ہے، اور ہر علاقے میں لوگوں پر بیعت کے بعد اپنے امیر کی تابعداری فرض ہے، اور ایک علاقے اور ملک کے لوگوں پر دوسرے ملک کے امیر کی تابعداری فرض نہیں ہے۔ اگر کسی ملک میں اس کے امیر کے خلاف اور اس کے مقابلے میں کوئی شخص کھڑا ہو تو اس کا قتل بھی اس حاکم کے لیے جائز ہے، اگر وہ توبہ نہ کرے۔ (السیل الجرار ص ۵۱۲ جلد)

اسی طرح کا بیان شیخ رشید رضا نے بھی کیا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ اس پر اتفاق ہے کہ متعدد حکام کا ہونا ضرورت کی وجہ سے جائز ہے، لیکن جب ضرورت ختم ہوجائے تو وحدت یعنی ایک امیر مقرر کرنا فرض ہے۔(الخلافۃ للشیخ محمد رشید رضا ص ۵۶ مع الاختصار الشدید)

پانچویں وضاحت:

جب مسلمانوں کا حاکم شریعت نہ نافذ کرے اور حدود نہ قائم کرے بلکہ شریعت کی، خصوصا حدود کی مخالفت کرے (جیسا کہ ہمارے زمانے کے حکمرانوں کا حال ہے) ان کا یہ خیال ہو کہ شرعی نظام موجودہ زمانے کے لیے مناسب نہیں ہے، یا کوئی دوسرا قانون شرعی نظام سے بہتر ہے، یا یہ کہ اگر اسلامی قانون نافذ کریں تو دوسری قوموں اور ملکوں سے پیچھے رہ جائیں گے وغیرہ، تو اس قسم کا بادشاہ کافر اور اسلام سے باہر ہے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ جب طاقت ہو تو اس کے خلاف خروج اور بغاوت کریں اور اس کو معزول کریں، کیوں کہ اس کی بات کفرِ بواح (واضح کفر) ہے۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کے خلاف خروج اور بغاوت میں نقصان اس کے فائدے سے زیادہ نہ ہو۔ (کتاب الحدود و السلطان لعبد اللہ قادری الاھدل ص ۷۳)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ منکر کی مخالفت اور رد کے چار مرتبے ہیں، پہلا یہ کہ منکر ختم ہوجائے اور اس کے بعد معروف آجائے۔ دوسرا یہ کہ منکر پورا ختم نہ ہو بلکہ کم ہوجائے۔ منکر کے رد کے یہ دونوں درجے جائز اور صحیح ہیں۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ منکر ختم ہوجائے اور اس کے بعد اسی کے برابر دوسرا منکر آجائے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ ردِ منکر کا یہ مرتبہ جائز ہے اور بعض اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ منکر ختم ہوجائے اور اس کے بعد اس سے بھی بڑا منکر آجائے۔ یہ طریقہ ناجائز ہے۔(اعلام الموقعین عن رب العالمین ص ۴، ۳ جلد ۳ جلد ۳ بحوالہ کتاب الحدود والسلطان ص ۷۲)

اس وجہ سے علماء کہتے ہیں کہ حدود کا قیام عمومی امیر یا اس کے نائب کا کام ہے، کیوں کہ اگر کوئی اور قائم کرے گا تو اس کے فائدے سے نقصان زیادہ ہوگا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو حاکم بزورِ طاقت حکومت حاصل کرے، اس کی تابعداری اور اس کی معیت میں جہاد فرض ہے، اس کے خلاف خروج اور بغاوت صحیح نہیں(اگرچہ وہ ظالم ہو) کیوں کہ اس کے ذریعے جانیں محفوظ رہتی ہیں اور فتنے دبے رہتے ہیں۔

البتہ اگر کوئی حاکم واضح کفر کرے تو اس کی تابعداری جائز نہیں ہے بلکہ جس کے پاس طاقت اور قدرت ہو تو اس پر اس کے خلاف جہاد فرض ہے۔ (فتح الباری ص۷ جلد ۱۳)

اسی طرح دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ جب (حاکم) کفر کرے تو اس کے خلاف خروج فرض ہے۔ (فتح الباری ۸ جلد ۱۳)

اس سے معلوم ہوا کہ جب امیر اور بادشاہ ظالم ہو تو اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے، اس بارے میں علماء کہتے ہیں کہ اگر بغیر فتنے کے معزول ہوجائے تو اسے معزول کرنا چاہیے لیکن اگر فتنہ پیدا ہوتا ہو تو صبر کرنا فرض ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ولایزال المنکر بما ھو انکر منه (ایک منکر کا ازالہ دوسرے بڑے منکر کے ذریعے نہیں کیا جائے گا)، جیسا کہ ایک امیر میں غلطی ہو اور آپ اس کے خلاف اسلحہ اٹھائیں اور فتنہ پیدا ہو تو یہ جائز نہیں۔ (الخلافة والملك لابن تیمیه ص ۲۱)

لیکن اگر وہ حاکم کفر کا ارتکاب کرے تو اس کے خلاف جہاد اور خروج فرض ہے لیکن اس شرط پر کہ طاقت اور قدرت موجود ہو۔ اس میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ موجودہ دور کے حکمران، جیساکہ پرویز مشرف، زرداری، کرزئی وغیرہ صرف ظالم ہی نہیں بلکہ کافر ہیں، انہوں نے کفر بواح کاارتکاب کیا ہے، کیوں کہ یہ امریکہ کے اتحادی ہیں، یہ اللہ تعالی کا نظام اور قانون ناپسند کرتے ہیں، شرعی نظام کی مخالفت کرتے ہیں، ان میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو سو سے زیادہ طُرُق سے کافر ہوچکے ہیں۔ ولھم اعمال من دون ذلك ھم لھا عاملون

چھٹی وضاحت: امارت کی اقسام

امارت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ عمومی اِمارت ۲۔ خصوصی اِمارت

عمومی اِمارت کو خلافت بھی کہتے ہیں،اس کے امیر کو امیر المؤمنین، خلیفہ اور امام بھی کہتے ہیں۔

دوسری قسم خصوصی امارت ہے۔ پھر خصوصی امارت میں بھی بہت سی اقسام ہیں، ایک یہ ہے کہ عمومی امیر کی طرف سے کسی ملک یا علاقے یا شہر میں عمومی کاموں میں عمومی اختیار دے دیا جائے، جسے عرف میں ملک، سلطان (یعنی بادشاہ یا امیر) کہاجاتا ہے۔ہمارے عرف میں اسے والی، یا گورنر یا کسی ایجنسی یا ضلع کا امیر کہا جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں عتاب بن اسد رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کیا تھا۔ اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اور طائف میں عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا۔ اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مختلف علاقوں میں الگ الگ والی و گورنر مقرر تھے۔

خصوصی اِمارت کی دوسری قسم یہ ہے کہ کسی کو ایک علاقے میں خصوصی اختیار دے دیا جائے، مثلا کسی خاص علاقے میں

صرف لشکر کا اختیار دے دیا جائے، یا کسی خاص علاقے کے اموال کا اختیار دے دیا جائے کہ تمہیں اس علاقے کے اموال کے حاصل کرنے اور خرچ کرنے کا اختیار حاصل ہے، یا کسی علاقے یا شہر کی پولیس کا اختیار دے دیا جائے، یا حاجیوں کا اختیار دے دیا جائے کہ تم واپسی تک ان حاجیوں کے امیر ہو، یعنی امیر الحج بنا دیا جائے، یا کسی غزوے کا امیر بنادیا جائے۔ (تحریر الاحکام فی تدبیر اهل الاسلام من ص۹) جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی عام عادت یہی تھی کہ جب مجاہدین کو غزوے پر روانہ کرتے تو ان کا امیر مقرر کرتے۔

ساتویں وضاحت: مجاھدین کو غزوے پر بھیجتے ہوئے امیر مقرر کرنا

عمومی امیر کو چاہیے کہ جب بھی مجاہدین کو غزوے کے لیے روانہ کرے، تو چاہے مجاہدین زیادہ ہوں یا کم، ان کو اس وقت تک نہ بھیجے جب تک ان پر کسی کو امیر مقرر نہ کردے، کیوں کہ امیر مقرر کرنا فرض ہے، رسول اللہ ﷺ جب بھی مجاہدین کو غزوے کے لیے بھیجتے تو ایک امیر مقرر کرتے، اگر امیر نہ بنانا جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ تو جواز کے لیے چھوڑ دیتے۔

دوسرا یہ کہ جنگ میں اتفاق فرض ہے اور اتفاق اس وقت آتا ہے کہ جب ایک امیر ہو اور اس کی سمع و طاعت کی جائے۔ امام سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنگ میں سمع و طاعت بعض دفعہ جنگ سے زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے۔ مسافر لوگ جب کبھی چور ڈاکوؤں سے ڈریں تو انہیں چاہیے کہ اپنے میں سے کسی کو امیر مقرر کرلیں، اور اگر ڈر نہ ہوں تو امیر مقرر کرنا ضروری نہیں۔

امیر کی صفات:

ہمیشہ کسی ہوشیار اور مدبر شخص کو امیر مقرر کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ ساتھیوں کو ہلاکت میں ڈال دے اور انہیں ایسی جنگوں میں استعمال کرے کہ جس کی ان میں برداشت نہ ہو، اور ایسا بھی نہ ہو کہ حملے کا وقت ہو، دشمن غفلت میں ہو اور یہ حملہ نہ کرے۔ جیسا کہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے حاکموں کو لکھ رکھا تھا کہ براء بن مالک رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر نہ کریں، کیوں کہ یہ مجاہدین کو ہلاکت کی جگہ لے کر جاتے ہیں۔ حالاں کہ براء بن مالک رضی اللہ عنہ بہت بڑے صحابی ہیں، رسول اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا:

رُبّ اشعث اغبر ذی طمرین لا یعبأُ به لو اقسم علی الله لا بره منهم البرأ بن مالكٍ

"بہت سے براگندہ سر، گرد و غبار والا، دو چادروں والا، جس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی، اگر وہ اللہ کی قسم کھائے تو اللہ تعالی اسے قسم میں بری کرتے ہیں (یعنی وہ جس کام کی قسم کھائے اللہ تعالی وہ کام پورا کردیتے ہیں)، ایسے ہی لوگوں میں ایک براء بن مالک رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

ایک دفعہ جنگ بہت سخت ہوگئی، کسی نے ان سے دعا کا کہا تو براء رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا شروع کردی، آپ رضی اللہ عنہ کی دعا سے دشمن کو فوری شکست ہوگئی۔

ان کے اتنے فضائل کے باوجود عمر رضی اللہ عنہ نے منع کیا ہوا تھا کہ انہیں امیر نہ مقرر کیا جائے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ یہ بہت بہادر تھے، ہلاکت کی جگہوں (یعنی سخت جنگوں) میں ساتھیوں کو لے جاتے اور کوئی پراہ نہیں کرتے تھے۔

امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر امیر کا تجربہ نہ ہو تو اس کے لیے کوئی معاون مقرر کیا جائے، جیسا کہ موسی علیہ السلام فرماتے

ہیں :

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ (طه:۲۹-۳۱)

اگر عمومی امیر اس کے لیے معاون مقرر نہ کرے تو اس ناتجربہ کار امیر کو چاہیے کہ ہوشیار اور سمجھدار افراد کی ایک شوریٰ بنائے اور ان کے مشورے پر عمل کرے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (السیر الکبیر للامام محمد و شرح السیر الکبیر لشمس الائمة السرخسی ص:۷۴)

آٹھویں وضاحت: امیر کا تابعداری کی وصیت کرنا

عمومی امیر کو چاہیے کہ مجاہدین کو حکم کرے کہ اپنے امیر کی تابعداری کریں اور اس کے خلاف نہ کریں، کیوں کہ اللہ تعالی نے حکم فرمایا ہے کہ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء۵۹) (امراء کی تابعداری کرو)

"اُولِي الْاَمْر" سے مراد ایک توجیہ کے مطابق غزوات کے امیر ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اسمعوا واطیعوا ولو امر علیکم عبد حبشی اجدع

"اپنے امیر کی بات سنو اور مانو، چاہے تم پر وہ حبشی غلام امیر ہو جس کی ناک بھی نہ ہو۔"

علامہ کاسانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لانہ نائب الامام وطاعة الامام لازمة کذا طاعته لانها طاعة الامام (کیوں کہ یہ عمومی امیر کا نائب ہے اور عمومی امیر کی تابعداری فرض ہے تو اس کے نائب کی تابعداری بھی فرض ہے، کیوں کہ نائب کی تابعداری عمومی امیر کی تابعداری ہے۔)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ علیکم بالسمع والطاعة لکل من یؤمر علیکم (جو شخص تمھارا امیر بنادیا جائے تم پر اس کا سننا اور ماننا لازم ہے۔)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تحل الجنة لعاص (امیر کے نافرمان کے لیے جنت حلال نہیں ہے۔)

یہ اعلان رسول اللہ ﷺ نے جنگِ خیبر میں کیا تھا۔ نبی ﷺ نے لوگوں کو منع کیا کہ جنگ نہ کرو، کسی نے آپ کو بتایا کہ فلاں شہید ہوگیا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا میرے اعلان کے بعد؟لوگوں نے کہا کہ جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا لاتحل الجنة لعاص۔

اس مجاہد کی شہادت کے باوجود نبی ﷺ نے یہ اعلان کیا، تاکہ لوگ سمجھ جائیں کہ جو بات یقینی طور پر غلط نہ ہو تو اس میں امیر کی نافرمانی کسی صورت جائز نہیں۔ (شرح السیر الکبیر ص۷۶) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر امیر جنگ سے منع کرے تو پھر جنگ نہیں کرنی چاہیے۔

امیر کی تابعداری اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی تابعداری ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی (متفق علیہ)

"جس نے میری تابعداری کرے اس نے اللہ کی تابعداری کری اور جس نے میری نافرمانی کری اس نے اللہ کی نافرمانی کری اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کری اس نے میری نافرمانی کری۔"

پانچ باتوں کا حکم:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اٰمرکم بخمس بالجماعۃ والسمع والطاعۃ والھجرۃ والجھاد فی سبیل اللہ (رواہ احمد والترمذی)

"میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم کرتا ہوں، ایک جماعت (یعنی امت کی اجتماعی شکل اور اتفاق کو برقرار رکھنا)، دوسرا سمع (سننا) (یعنی امیر تمہیں جو حکم کرے اس کو سننا اور ماننا)، تیسرا اطاعت (یعنی امیر کی بات پر عمل کرو اور اس کی تابعداری کرو)، چوتھا ہجرت اور پانچواں جہاد فی سبیل اللہ"

جو کوئی امیر کی توہین کرے گا اللہ تعالی اس کی توہین کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من اھان سلطان اللہ فی الارض اھانہ اللہ (الترمذی)

یعنی جو کوئی امیر (جسے اللہ تعالی نے زمین پر لوگوں کی خلافت کے لیے مقرر کیا ہو) کی توہین کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کی توہین کرتے ہیں۔

نویں وضاحت: کن صورتوں میں امیر کی اطاعت کی جائے گی اور کن صورتوں میں نہیں

علامہ کاسانی، علامہ شامی اور دیگر علماء رحمہم اللہ نے اس کی تین صورتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ جس کام میں یقینی فائدہ ہو تو اس میں تابعداری فرض ہے۔

۲۔ جس کام میں یقینی نقصان ہو اور گناہ ہو تو اس میں تابعداری نہیں ہے۔

۳۔ تیسری صورت شک کی ہے کہ جس کام میں یہ معلوم نہ ہو کہ اس میں فائدہ ہے یا نقصان تو اس میں بھی تابعداری فرض ہے۔

(بدائع الصنائع ص:۲۷۷ ج:۱۵، حاشیۃ ابن عابدین ص:۲۶۶ ج:۴)

امام محمد اور امام سرخسی رحمہما اللہ نے اس کی زیادہ تفصیل بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب مجاہدین جنگ کے لیے دارالحرب چلے جائیں اور امیر انہیں جنگ کا حکم کرے تو اس میں ایک صورت یہ ہے کہ اگر اس میں فائدہ ہو تو امیر کی تابعداری فرض ہے، کیوں کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء۵۹)۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد امراء ہیں اور بعض

کہتے ہیں کہ اس سے مراد علماء ہیں۔ علماء کی تابعداری اس لیے فرض ہے کیوں کہ وہ لوگوں کو اس بات کا حکم کرتے ہیں جس میں فائدہ ہوتا ہے، (یہی حال امراء کا ہے)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ امراء ایسے کام کا حکم کریں کہ جس کے بارے میں انہیں معلومات نہ ہو کہ اس میں فائدہ ہے یا نقصان، تو اس صورت میں بھی امیر کی تابعداری فرض ہے، کیوں کہ امیر کی تابعداری کی فرضیت نصِ قطعی سے ثابت ہے، اور ان کی یہ مشکوک رائے کہ اس کام میں فائدہ ہے یا نہیں تو یہ نصِ قطعی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

دوسری بات یہ کہ وقد تکون طاعة الامیر فی الکف عن القتال خیرا من کثیر من القتال یعنی کبھی جنگ نہ کرنے میں امیر کی تابعداری کرنا جنگ کرنے سے بہت بہتر ہوتا ہے۔ کبھی ایک کام عام مجاهدین کو ایک طرح کا لگتا ہے لیکن حقیقت میں امیر کے نزدیک دوسری طرح کا ہوتا ہے، لیکن امیر یہ نہیں چاہ رہا ہوتا کہ عام ساتھیوں کو اس کی خبر دے، اس وجہ سے امیر کی تابعداری فرض ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ امیر کسی ایسے کام کا حکم کرے جس میں اکثر مجاهدین کے نزدیک یقینی ہلاکت کا خطرہ ہو، تو ایسی صورت میں امیر کی تابعداری نہیں ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" (خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی فرمانبرداری جائز نہیں)۔

علی رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ کے لیے ایک جماعت کو بھیجا، ان کے امیر ان پر غصہ ہوگئے، آگ جلائی اور مجاہدین سے کہا کہ تمھیں میری تابعداری کا حکم دیا گیا ہے، سب آگ میں داخل ہوجاؤ۔ مجاہدین میں سے بعض نے کہا کہ آگ میں داخل ہونا چاہیے اور بعض نے کہا کہ نہیں داخل ہونا چاہیے، کیوں کہ ہم نے تو اسی آگ سے بچنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے۔

جب وہ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ قصہ بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ آگ میں داخل ہوجاتے تو کبھی بھی اس سے نہیں نکلتے (یعنی اس سے جہنم میں چلے جاتے)، کیوں کہ تابعداری جائز کام میں ہے، ناجائز کام میں تابعداری نہیں ہے، ایسے وقت میں امیر کی تابعداری کی اللہ تعالی نے برائی بیان کی ہے:

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (الزخرف:۵۴)

دوسری صورت یہ ہے کہ امیر ایک کام کا حکم کرے اور اس میں ساتھیوں کا اختلاف ہوجائے، بعض کہیں کہ اس میں ہلاکت ہے اور بعض کہیں کہ اس میں نجات ہے، تو اس صورت میں بھی امیر کی تابعداری فرض ہے۔

اگر کسی ایسے کام کا حکم دے کہ جس میں واضح ہلاکت ہو یا گناہ کا حکم دے تو اس میں تابعداری جائز نہیں۔ کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو خالد رضی اللہ عنہ کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، ان لوگوں نے آذان دی اور اسلحہ پھینک دیا، خالد رضی اللہ عنہ نے پھر بھی ان سے جنگ کی اور انہیں قید کیا اور حکم دیا کہ ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کردے۔

بنو سلیم نے اپنے قیدیوں کو قتل کردیا اور مھاجرین و انصار نے اپنے قیدیوں کو آزاد کردیا۔ جب نبی ﷺ کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے تین دفعہ فرمایا:

اللھم انی ابرء الیك مما صنع خالد

"اے اللہ! جو کچھ خالد رضی اللہ عنہ نے کیا میں اس سے بے زار ہوں۔"

پھر آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کے ہر قسم کے نقصان کی دیت ادا کی، اور نبی ﷺ نے مہاجرین و انصار کے اپنے قیدی آزاد کرنے کی تعریف کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کے کام میں امیر کی تابعداری جائز نہیں ہے، جیسا کہ اس سے قبل بھی حدیث لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق گزرچکی ہے۔

اس بحث کا خلاصہ دو باتیں ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ گناہ کے کام میں یا اس کام میں کہ جس کا نقصان واضح ہو امیر کی تابعداری جائز نہیں۔

۲۔ دوسرا یہ کہ امیر کے خلاف خروج اور بغاوت بھی نہیں کرنی چاہیے تاکہ بزدلی نہ آجائے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا۔ (شرح السیر الکبیر ص ۱۷۳، باب مایجب من طاعة الوالی وما لایجب، تهذیب الریاسة وترتیب السیاسة ص ۱۹ باب ما یجب علی الرعیة للولاة من الطاعة وما یکره لهم من المعصیة والخروج علیهم ومفارقة الجماعة)

امیر کی تابعداری کی مزید وضاحت:

جب کوئی امیر اعلان کرے کہ فلاں اور اس کا لشکر سیدھی طرف ہو اور فلاں اور اس کا لشکر پیچھے ہو تو ان میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ پر ہونا چاہیے اور ان کے لیے اپنی جگہوں کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے، کیوں کہ یہ جنگی تدبیر ہے، اس کا فائدہ تابعداری سے پتہ چلتا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جنگی تدبیروں میں امیر کی تابعداری ضروری ہے۔

پہلا مسئلہ:

اگر کوئی نافرمانی کرے تو اسے پہلی دفعہ معاف کیا جائے کیوں کہ یہ ایک لغزش ہے، نبی ﷺ نے فرمایا اقیلو ذوی الهیئات عثراتهم (عزتمند لوگوں کو ان کی لغزشیں معاف کرو)، لیکن پھر اعلان کردے کہ اگر کسی نے نافرمانی کری تو اس کو سزا دی جائے گی۔ یہ امیر کی طرف سے سزا دینے کا ایک عذر ہے، کیوں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قد اعذر من انذر (جس نے تنبیہ دی وہ معذور ہے۔)، اللہ تعالی کا فرمانِ عالی ہے کہ وقد قدمت الیکم بالوعید (میں نے تمہیں پہلے ہی تنبیہ دے دی تھی)۔

اس کے بعد بھی اگر غلطی کرے تو پھر تادیبا سزا دینا بہتر ہے، تاکہ آئندہ کوئی ایسی غلطی نہ کرے، کیوں کہ اللہ تعالی کے ڈر سے کوئی اتنے گناہ نہیں چھوڑتا جتنا کہ سزا کے ڈر سے چھوڑتا ہے۔

اسی وجہ سے ایک اثر میں آتا ہے:

ان الله یزغ بالسلطان فوق مایزغ بالقرآن

"یقینا اللہ تعالی قرآن کے ذریعے جتنے لوگوں کو منع کرتے ہیں اس سے زیادہ لوگوں کو امیر کے ذریعے منع کرتے ہیں۔"

اگر کوئی شخص اپنی غلطی کا کوئی عذر پیش کرے اور قسم کھائے تو اسے معاف کردیا جائے گا، کیوں کہ اس کی بات میں سچائی

کا احتمال ہے اور اس نے قسم کے ذریعے اپنی بات کو مزید قوی بھی کردیا۔ (شرح السیر الکبیر ص ۱۷۷ باب مایجب من طاعۃ الوالی ومالا یجب)

بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ ہر کوئی اپنی جانب ہوگا، البتہ اگر دشمن ایک جانب حملہ کرے تو دوسری طرف والے اس سے تعاون کریں گے۔

دوسرا مسئلہ :

اگر امیر حکم کرے کہ اپنی جگہیں اور مراکز نہیں چھوڑنے اور ایک دوسرے کا تعاون نہیں کرنا، چاہے دوسرے ساتھیوں پر دشمن کا ڈر ہو، کیوں کہ امیر کی تابعداری یقینی دلیل سے فرض ہے اور دوسرے ساتھیوں کا خطرہ یقینی نہیں بلکہ شکی ہے اور شک یقین کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس کی اصلی دلیل تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیر اندازوں کو حکم فرمایا تھا کہ اپنی جگہیں نہ چھوڑنا، لیکن جب مشرکوں کو شکست ہوئی تو انہوں نے اپنی جگہوں کو چھوڑ دیا، جس کی وجہ سے فتح شکست میں بدل گئی، اللہ تعالی نے اس پر تنبیہ فرمائی:

حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ

تیسرا مسئلہ :

اگر امیر کسی خاص شخص کو منع کردے کہ تم مقابلے کے لیے نہیں نکلو گے تو وہ مقابلے کے لیے نہیں نکلے گا۔ (شرح السیر الکبیر ص: ۱۸۱، ۱۸۰)

چوتھا مسئلہ :

اگر کوئی جماعت امیر کی اجازت کے بغیر جنگ کے لیے چلی جائے تو عبد الملک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امیر اس کو تادیبا سزا دے اور جو غنیمت اس کو حاصل ہوئی ہو اس سے محروم کردے۔ سحنون رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر اتنے لوگ ہوں کہ جن کے بارے میں کوئی ڈر اور خطرہ نہ ہو تو غنیمت سے محروم نہ کرے البتہ کام غلط کیا ہے۔ (تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ ومناہج الاحکام للشیخ ابراھیم بن علی المتوفی ۷۹۹ھ ص ۴۳۱ جلد ۲ مسائل من الجہاد)

پانچواں مسئلہ : دشمن سے معہدہ کرنا امیر یا اس کے نائب کا حق ہے

معاہدہ چاہے ملک کی سطح پر ہو یا کسی خاص علاقے کی سطح پر ، جب اس میں مجاہدین کا فائدہ ہو ، جیسے مجاہدین کو آرام دینا کہ وہ آرام اور راحت حاصل کریں یا اپنے کاموں کو مرتب کریں اور تیاری کریں ، یا دشمن کے ایمان لانے کی امید ہو، یا بغیر جنگ کے جزیہ دینے کی امید ہو۔ امیر یا اس کے نائب کے علاوہ کسی دوسرے کو معاہدے کا حق نہیں، کیوں کہ اس سے نقصان پیدا ہوتا ہے، البتہ کسی خاص کافر کو امن ہر مسلمان دے سکتا ہے۔ (تحریر الاحکام ص ۲۳۱ فی باب الھدنۃ والامانۃ)

البتہ بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت بھی معاہدہ کرسکتی ہے۔

چھٹا مسئلہ : نماز اور جنگ کا امام ایک ہی ہونا چاہیے

یعنی جو شخص مجاہدین کا جنگی امیر ہو تو نماز میں بھی وہی ان کا امام ہوگا۔ اسی طرح خطبہ اور بیان بھی اسی کا حق ہے، تو وہی نمازوں کی بھی امامت کرے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے دور میں یہی طریقہ تھا، اسی طرح اموی اور عباسی دورِ خلافت میں جو خلفاء رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر چلتے تھے، ان کا بھی یہی طریقہ تھا کہ جو جنگ کا یا علاقے کا

امیر ہوتا وہی نماز کا بھی امیر ہوتا تھا۔ (انظر السیاسة الشرعیة لابن تیمیه ص ۱۵ الفصل الرابع معرفة الاصلح وکیفیة تمامها وکذا الخلافة والملك ص ۳۷)

ساتواں مسئلہ :

اذا امر الامام بالصیام فی غیر الایام المنهیة وجب لما قد منا فی باب العیدین من ان طاعة الامام فیما لیس بمعصیة واجبة (رد المختار ص:۷۸۰ ج:۱ باب عیدین)

"جب امیر غیر حرام دنوں کے علاوہ میں روزہ رکھنے کا حکم دے تو وہ روزے رکھنا واجب ہے، کیوں کہ اس سے قبل ہم نے باب العیدین میں اس بات کا ذکر کیا تھا کہ جو کام گناہ کے نہ ہوں ان میں امیر کی بات ماننا واجب ہے۔"

اسی طرح علامہ شامی کے بیٹے علامہ علاؤ الدین ابن عابدین نے علامہ بیری کے حوالے سے اس کی مزید وضاحت کی ہے:

ان الحاکم لو امر اهل بلدةٍ بصیام ایامٍ بسبب الغلاءِ اوالوباءِ وجب امتثال امره (تکمله ردالمختار ص:۵۴ ج:۲ بحواله «عدالتی فیصلے" للشیخ تقی عثمانی ص ۴۰، ۴۱)

"امیر جب کسی علاقے والوں کو کچھ دن روزے رکھنے کا حکم دے مہنگائی یا کسی وباء کی وجہ سے تو امیر کا حکم ماننا فرض ہے"

دسویں وضاحت: فاسق و فاجر امیر کی سمع و طاعت

امیر اگر فاسق و فاجر ہو پھر بھی اس کی سمع و طاعت اور اس کے تحت جہاد واجب ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الجهاد ماضٍ مذ بعثنی الله الی ان یقاتل آخر عصابةٍ من امتی الدجال لا یصده جور جائر ولا عدل عادل

"جب سے اللہ تعالی نے مجھے بھیجا ہے اس وقت سے جہاد جاری ہے، اور یہ جاری رہے گا اس وقت تک کہ جب میری امت کی آخری جماعت دجال سے قتال کرے گی، اسے نہ کسی ظالم کا ظلم روک سکے گا اور نہ کسی عادل کا عدل۔"

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوگیا کہ جہاد کوئی نہیں روک سکتا۔ دوسرا یہ کہ امیر چاہے ظالم ہو یا عادل، اس کی امارت میں جہاد نہیں چھوڑا جاسکتا۔ ایک حدیث میں «لا یبطله جور جائر ولا عدل عادل» کے لفظ آتے ہیں لیکن دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

اسی طرح اگر امیر فاسق و فاجر ہو پھر بھی اللہ تعالی امداد کرتے ہیں، اس لیے مجاہدین اللہ تعالی کی امداد کی امید رکھیں۔ کیوں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے کہ «ان الله لیؤید هذا الدین بالرجل الفاجر» (اللہ تعالی فاسق و فاجر کے ذریعے بھی اس دین کو مضبوط کرتے ہیں)۔"شرح السیر الکبیر" میں ہے کہ یہ حدیث موقوفا بھی منقول ہے اور مرفوعا بھی۔

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ «ماتقول فی الغزو فقد صنع الامراء ما قد رایت» (آپ غزوہ اور جہاد کے بارے میں کیا کہتے ہیں حالاں کہ امراء نے وہ کچھ کیا جو آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ «اریٰ ان تغزو فانه لیس علیك مما احدثوا شیئا» (میری رائے یہ ہے کہ

جہاد کرو کیوں کہ امراء جو غلطیاں کرتے ہیں تم پر اس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔)

جب یزید ابن معاویہ امیر بنے تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ «ان یکن خیرا شکرنا وان یکن بلاء صبرنا» (اگر ان میں خیر ہوگی تو ہم شکر کریں گے اور اگر امتحان ہوگا تو صبر کریں گے) اور پھر یہ آیات پڑھی "فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ"

یہ بات بہت سے صحابہ سے نقل ہے کہ جب امیر انصاف کرے تو رعیت کو شکر ادا کرنا چاہیے اور امیر کو ثواب ملے گا، اور جب ظلم کرے تو رعیت کو صبر کرنا چاہیے اور امیر کو گناہ ملے گا۔

یہ تمام روایات یہ سبق دیتی ہیں کہ اگر امیر میں ظلم اور خیانت ہو تو پھر بھی اس کے تحت جہاد نہیں چھوڑا جائے گا۔ سلمان بن قیس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میرا امیر ظالم ہو تو کیا اس کے تحت مجھے گمراہوں اور مشرکوں سے جہاد کرنا چاہیے؟ جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "ہاں"، اور پھر یہ آیت تلاوت کی "فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ" (شرح السیر الکبیر باب الجھاد مع الامراء من ص۴)

البتہ یہ بات پہلے ہی بیان کی جاچکی ہے کہ گناہ کے کام میں ان کی تابعداری نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح امیر کی تابعداری فرض ہے، چاہے انسان تابعداری کی قسم اور وعدہ نہ کرے، اگر قسم اور وعدہ کرے تو پھر یہ زیادہ مؤکد ہوجاتا ہے، جیسا کہ نماز، حج اور زکوۃ وغیرہ فرض ہے چاہےانسان اس کی قسم نہ بھی کھائے اور وعدہ نہ بھی کرے۔ (الخلافۃ والملك لابن تیمیۃ ص۹)

گیارہویں وضاحت: دنیا کی لالچ میں امیر کی مخالفت بہت بڑا گناہ ہے

بخاری اور مسلم کی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین لوگ ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالی ان سے بات نہیں کریں گے، نہ ان کو دیکھیں گے اور نہ ہی انہیں پاک کریں گے ، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی آتا ہے :

ورجل بایع اماما لایبایعہ الا لدنیا فان اعطاہ منھا وفی وان لم یعطہ منھا لم یف

"ایک وہ شخص ہے جو ایک امیر سے بیعت کرے دنیا کے لیے، اگر امیر اس کو دے تو وفاداری کرتا ہے اور اگر دنیا نہ دے تو وفاداری نہیں کرتا۔"

بارہویں وضاحت: اگر امیر حق نہ ادا کرے پھر بھی اس کی اطاعت کی جائے گی

عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تم لوگ دیکھو گے کہ تمہارے مقابلے میں دوسرے لوگوں کو ترجیح دی جائے گی، اور ایسے کام دیکھو گے جو تم براجانتے ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ (ایسے وقت کے بارے میں) ہمیں کیا حکم دیتے ہیں (کہ ہم اس وقت کیا کریں)؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ادوا الیھم حقھم وسئلوا اللہ حقکم (الخلافۃ والملك ص۱۷)

"تم لوگ ان امراء کا حق ادا کرو اور اپنا حق اللہ تعالی سے مانگو۔"

ایک حدیث میں ہے کہ سلمہ بن یزید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اگر ہم پر ایسے امیر مقرر ہوجائیں کہ ہم سے اپنا حق مانگیں (یعنی طاعت) اور ہمارا حق نہ ادا کرے (جیسے عدل و انصاف نہ کرے) تو آپ ہمیں ایسے وقت میں کیا حکم کرتے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی بات سنو اور اس کی تابعداری کرو، امیر پر وہ چیز فرض ہے جس کا اسے مکلّف بنایا گیا ہے (جیسا کہ رعیت کے حقوق کی ادائیگی، عدل و انصاف وغیرہ) اور تم پر وہ کام فرض ہے جس کے تم مکلّف بنائے گئے ہو (جیسے امیر کی تابعداری اور اس کی غلطیوں پر صبر کرنا) (رواہ مسلم)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ہر کسی سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا:

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته (متفق علیه)

یعنی تم میں سے ہر شخص اپنی رعیت کا محافظ ہے، امیر اور سربراہ سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا، مرد سے اس کے گھر کے بارے میں پوچھا جائے گا، عورت سے شوہر کے گھر اور بچوں کا پوچھا جائے گا،اور غلام سے اپنے مالک کے مال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

تیرہویں وضاحت: امیر کے بگاڑ کی بنیاد حب جاہ و حب مال

امراء کی خرابی کی دو وجوہات ہیں، ایک منصب کی خواہش اور دوسری مال کی خواہش۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما ذئبان جائعان ارسلا في زريبة غنم با فسد لها من حرص المرٔ على المال والشرف لدينه

"بھوکے بھیڑیے ریوڑ کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا کہ انسان کے دین کو دو چیزیں مال کی حرص اور مرتبے کی حرص نقصان پہنچاتے ہیں۔"

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ منصب اور مال کی خواہش انسان کے دین کو خراب کرتی ہیں۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص منصب کی خواہش رکھتا ہے اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ فرعون کی طرح ہوجاتا ہے، اور جو شخص مال جمع کرتا ہے اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ قارون کی طرح ہوجاتا ہے، اور ان دونوں کا حال اللہ تعالی نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے۔ (رواہ الترمیذی وقال حدیث صحیح، السیاسة الشرعیة لابن تیمیه ص ۱۷۰)

اسی لیے بخاری و مسلم کی حدیث میں آتا ہے کہ عبد الرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لاتسئل الامارۃ (امارت نہ مانگو)۔ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ امارت سے انکار کرنے والا بہترین آدمی ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ جو حاکم اپنی رعیت سے خیانت کرتا ہے تو اللہ تعالی اس پر جنت حرام کردیتے ہیں۔ (متفق علیه)

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ جو حاکم اپنی رعیت کی خیر خواہی نہیں کرتا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔ (متفق علیه)

غیرت

غنیمت

غنیمت کے خمس اور باقی چار حصوں کا شرعی حکم:

بعض امراء غنیمت کے خمس کے ساتھ ساتھ باقی چار حصے بھی لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیت المال میں کچھ نہیں ہے، کبھی کہتے ہیں کہ ہم مجاہدین پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ بات غلط ہے، کیوں کہ یہ چار حصے مجاہدین کا حصہ ہے اور اس میں امیر کا کوئی حق نہیں۔

امام شوکانی رحمہ اللہ "نیل الاوطار" میں کہتے ہیں کہ:

باب ان اربعة اخماس الغنيمة للغانمين وانها لم تكن لرسول الله ﷺ

"یہ باب ہے اس بارے میں کہ غنیمت کا چوتھا حصہ مجاہدین کا حق ہے، اس کا لینا رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی جائز نہیں۔"

پھر اس سے متعلق احادیث نقل کی ہیں، ایک روایت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ وہ کہتے ہیں:

صلى بنا رسول الله ﷺ الى بعير من المغنم فلما صلى اخذ وبرة من جنب البعير ثم قال ولا يحل لي من غنائمكم مثل هذا الا الخمس والخمس مردود فيكم (ابوداؤد و النسائی بمعناہ)

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں غنیمت کے ایک اونٹ کے سامنے نماز پڑھائی، جب نماز پڑھا لی تو اونٹ کے بالوں میں سے کچھ بال لیے اور فرمایا کہ میرے لیے تمھاری غنیمت میں سے ان بالوں کی مقدار کے برابر بھی حلال نہیں ہے، سوائے خمس کے، اور خمس بھی تمہیں واپس کیا جاتا ہے۔"

پھر امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث دلیل ہیں اس بات پر کہ امیر غنیمت میں سے خمس کے علاوہ کچھ نہیں لے سکتا، اور خمس کے علاوہ باقی غنیمت مجاہدین میں تقسیم کرے، اور جو خمس امیر لے وہ بھی صرف امیر کا حق نہیں ہوتا بلکہ امیر پر یہ فرض ہے کہ وہ خمس بھی مسلمانوں کو واپس کرے (یعنی ان پر خرچ کرے)، جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں تفصیل فرمائی ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ

بعض کہتے ہیں کہ ہم یہ غنیمت اس لیے لیتے ہیں کیوں کہ ہم مجاہدین پر بیت المال سے خرچہ کرتے ہیں تو یہ بات بھی غلط ہے کیوں کہ بیت المال تو ویسے بھی مجاہدین کا حق ہے اور اس سے مجاہدین پر خرچ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر بیت المال سے مجاہدین پر خرچ کیا جاتا ہے یا ان کی تنخواہیں دی جاتی ہیں لیکن پھر بھی غنیمت مجاہدین کا حق ہے۔

"تحریر الاحکام" میں کہتے ہیں:

الاجناد المرتزقة والمتطوعة فيه سواء (تحرير الاحكام في تدبير اهل الاسلام ص ۲۲۳)

"مجاهدین کا وہ لشکر جسے خرچہ اور تنخواہ دی جاتی ہے اور وہ لشکر جو بغیر تنخواہ کے اپنی خوشی سے جہاد کرتا ہے، یہ دونوں غنیمت

میں برابر ہیں۔"

غنیمت کی شرعی تقسیم

بعض لوگ غنیمت شرعی طریقے سے تقسیم نہیں کرتے، بعض اس میں چوری اور خیانت کرتے ہیں، بعض غنیمت صرف اپنے ساتھیوں میں تقسیم کرتے ہیں، اور بعض غنیمت اور مالِ فییٔ وغیرہ میں فرق نہیں کرتے۔

حالاں کہ جو شخص غنیمت میں خیانت کرتا ہے اور شہید ہو جائے تو آخرت کے اعتبار سے اسے شہید نہیں کہا جائے گا، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

"جس نے غنیمت میں خیانت کی تو قیامت کے دن وہی چیز لے کر آئے گا۔"

قیامت کے دن وہ چیز اس کے کندھوں پر پڑی ہوگی۔ احادیث میں غلول کے بہت سے عذاب بیان کیے گئے ہیں۔ غلول اسے کہتے ہیں کہ ایک شخص غنیمت یا مالِ فئ میں سے کوئی چیز چوری چھپے لے لے۔ ایسی چیز مجاہدین میں تقسیم کرنا فرض ہے۔

غنیمت کے شرعی طریقے کی تفصیل

سب سے پہلے غنیمت، مالِ فئ، سَلَب، مؤنت، رَضَخ، خُمس اور نَفَل میں فرق سمجھنے کی ضرورت ہے:

غنیمت:

غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو مسلمان کفار سے طاقت کے زور پر لیں۔

مالِ فئ:

اس مال کو کہتے ہیں جو مسلمان کفار سے بغیر جنگ اور طاقت کے لیں۔ اس کی پوری تفصیل آئندہ آئے گی۔

سَلَب:

سَلَب مقتول کے سامان کو کہتے ہیں، جیسا کہ اس کے کپڑے اور اسلحہ اور وہ اسلحہ جو اس کے ہاتھ میں ہو یا وہ سواری جس پر وہ سوار ہو یا وہ سامان جو اس کے بیگ میں اس کی سواری میں ہو یا اس کے بندھا ہوا ہو، اس کے علاوہ مقتول کا دیگر سامان سَلَب میں نہیں آتا۔

مؤونت:

غنیمت کے سنبھالنے اور نقل کرنے میں جو خرچہ آتا ہے اسے مؤونت کہتے ہیں۔ یہ بھی غنیمت سے ادا کیا جاتا ہے، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

رَضَخ:

عورتیں، بچے، غلام یا کافر جب جنگ میں شرکت کریں اور امیر ان کو کچھ حصہ دے تو اس حصے کو رَضَخ کہتے ہیں۔

خُمس:

غنیمت میں سے بیت المال کے لیے جو پانچواں حصہ نکالا جاتا ہے اسے خُمس کہتے ہیں۔

نَفَل:

اس حصے کو کہتے ہیں جو امیر جنگ کی ترغیب کے لیے بعض غازیوں کے لیے خاص کرے، جیسا کہ امیر اعلان کرے کہ جس نے کسی دشمن کو قتل کیا تو اس کا سامان اسی کو ملے گا، یا جس کو کوئی چیز ملے تو وہ اسی کی ہوگی، یا جس کو کوئی چیز ملے تو اس کا تہائی یا چوتھائی حصے اس کا ہوگا۔

غنیمت کی اقسام:

غنیمت کی چار قسمیں ہیں:

١۔ قیدی: وہ جنگی لوگ جو کافر، عاقل، بالغ اور اصیل ہوں اور مسلمان انہیں طاقت کے زور پر پکڑیں۔

٢۔ سبایا: کفار کے بچے، عورتیں اور غلام۔

٣۔ زمینیں۔

٤۔ مذکورہ بالا تین کے علاوہ دیگر اموال، جیسا کہ سونا چاندی، گھوڑے، جانور، کپڑے، میوے، وغیرہ۔

غنیمت کی تقسیم:

اس امت کے لیے اللہ تعالی نے غنیمت کو حلال کیا ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا

"کھاؤ اس میں سے جو تم غنیمت میں حاصل کرو حلال اور پاکیزہ۔"

پچھلی امتوں کے لیے غنیمت حلال نہیں تھی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

احلت لی الغنائم ولم تحل لاحد قبلی

"میرے لیے غنیمت حلال کی گئی ہے اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کی گئی۔"

نبی ﷺ نے غنیمتیں تقسیم کیں، پہلی غنیمت جنگ بدر میں حاصل ہوئی، اللہ تعالی نے اس کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو دے دیا تھا، تو آپ ﷺ نے اسے مجاھدین میں تقسیم کردیا۔

پہلی غنیمت جس سے خمس نکالا گیا وہ بنو قینقاع کی غنیمت تھی۔ نبی ﷺ نے بدر، بنو قینقاع ، خیبر اور ہوازن کی غنیمتیں تقسیم کیں۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے شام و عراق یعنی فارس اور روم کی غنیمتیں تقسیم کریں۔

قیدیوں کا حکم:

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ غنیمت کی چار قسموں میں سے ایک قیدی ہیں۔ قیدیوں کے بارے میں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمهما الله کے نزدیک عمومی امیر یا اس کے نائب کو چار قسم کے اختیارات حاصل ہیں:

۱۔ قتل

۲۔ غلام بنانا

۳۔ احسان کرکے بغیر فدیہ آزاد کرنا

۴۔ فدیہ یعنی ان کے بدلے مال لینا یا مسلمان قیدی آزاد کرانا۔

نوٹ: قیدی کے بدلے جو مال لیا جائے گا وہ غنیمت ہوگا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عمومی امیر یا اس کے نائب کو دو قسم کے اختیارات حاصل ہیں:

۱۔ قتل ۲۔ غلام بنانا

اس میں راجح مذہب پہلا ہے۔

سبایا کا حکم:

غنیمت کی دوسری قسم سبایا یعنی کفار کے بچے، عورتیں اور غلام ہیں۔ یہ سب مسلمانوں کی غنیمت ہیں، ان کو مارنا جائز نہیں ہے۔

ان کے بارے میں امیر کو حق حاصل ہے کہ ان کے بدلے فدیہ لے لے، چاہے مجاہدین اس پر راضی نہ بھی ہوں، البتہ جب فدیے میں مال لے لے تو وہ مال غنیمت ہوگا، اور اگر فدیے میں مسلمان قیدی آزاد کرائے تو ان کے عوض میں مجاہدین کو بیت المال سے پیسے دیے جائیں گے۔

سبایا کے بارے میں امیر کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ ان پر احسان کرے اور بغیر فدیے کے آزاد کردے، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ مجاہدین اس پر راضی ہوں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ ہوازن کے بچے اور عورتیں مجاہدین کی اجازت سے واپس کردیے تھے۔

اس میں مجاہدین کی اجازت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بچوں اور عورتوں میں اپنا حق چھوڑ دیں، یا پھر امیر بیت المال سے ان کا عوض مجاہدین کو دے۔

جن مجاہدین کو غنیمت میں عورتیں ملیں تو ان کے لیے ان باندیوں سے جماع کرنا جائز ہے، لیکن برائت کے بعد۔ یہ باندی اُمِ ولدہ بھی بنائی جاسکتی ہے، بیچی بھی جاسکتی ہے اور آزاد بھی کی جاسکتی ہے۔

زمین کا حکم:

غنیمت کی تیسری قسم زمین ہے۔ جو زمین مسلمان طاقت کے زور پر حاصل کریں، یا ان کا کافر مالک مارا جائے یا قید کرلیا جائے یا بھگادیا جائے، تو یہ زمین غنیمت ہوتی ہے۔

اس کے حکم میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امیر کو اس زمین میں تین قسم کے اختیارات حاصل ہیں، ایک یہ کہ دوسری غنیمتوں کی طرح مجاہدین میں تقسیم کردے، دوسرا یہ کہ مسلمانوں کے لیے وقف کردے، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کہ جب سوادِ عراق کی زمین فتح ہوئی۔اسی طرح شام اور مصر کی زمین بھی کفار کے ہاتھوں میں ہی رہنے دی اور ان کفار پر جزیہ اور ان کی زمینوں پر خراج مقرر کیا۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ بدائع الصنائع میں کہتے ہیں کہ اس وقت بہت سے صحابہ کرام موجود تھے۔ فقہ السنۃ میں کہتے ہیں کہ جب یہ زمین مسلمانوں کے لیے وقف کردی جائے تو اس زمین پر ہمیشہ کے لیے خراج مقرر کردیا جائے گا، اور یہ خراج ہر اس شخص سے لیا جائے گا جس کے قبضے میں یہ زمین ہوگی، چاہے وہ مسلمان ہو یا ذمی۔ یہ خراج اس زمین کی اجرت ہے جو کہ ہر سال لی جائے گی۔ خراج کی مقدار میں امیر کا اختیار ہے کہ کتنا مقرر کرے۔

امیر کے لیے تیسرا اختیار یہ ہے کہ یہ زمین کفار کے قبضے میں چھوڑدے، جیسا کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے مذھب کے مطابق مکہ مکرمہ طاقت کے زور پر فتح کیا گیا تھا اور نبی ﷺ نے اسے اپنے مالکوں کے قبضے میں رہنے دیا تھا۔

ان تین قسموں کے علاوہ چوتھی قسم کا حکم:

غنیمت کی چوتھی قسم اموال اور سامان ہیں، جیسا کہ سونا چاندی، گھوڑے، جانور، اسلحہ، کپڑے وغیرہ، یہ سب غنیمت ہیں۔ ان میں سے خُمس نکالا جائے گا اور پھر تقسیم کیا جائے گا۔

لیکن جب تک جنگ جاری ہوگی تو غنیمت تقسیم نہیں کی جائے گی، تاکہ مجاہدین جنگ کی بجائے اس میں مصروف نہ ہوجائیں۔ جب جنگ ختم ہوجائے، کامیابی حاصل ہوجائے، غنیمت جمع ہوجائے تو پھر اس کے بعد غنیمت تقسیم کی جائیں گی۔

غنیمت کی تقسیم کی ترتیب:

غنیمت کی تقسیم کی ترتیب درج ذیل ہے:

١۔ سب سے پہلے "سَلَب" سے شروعات کی جائے گی۔

٢۔ دوسرے نمبر پر "مؤونت" ادا کی جائے گی۔

٣۔ پھر غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے۔

٤۔ پھر غنیمت کے چار حصوں سے "رَضخ" اداء کیا جائے گا۔

٥۔ پھر چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے۔

٦۔ پھر "خُمس" اپنے مستحقین میں اداء کیا جائے گا۔

تفصیل:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ غنیمت کی تقسیم میں شروعات سَلَب یعنی ان مقتولین کے سامانوں سے کی جائے گی کہ جن کے قاتل معلوم ہوں، لہٰذا مقتول کے سامان قاتل کو دیے جائیں گے۔ اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان مبارک ہے:

من قتل قتیلا له علیه بینة فله سلبه

"جس نے کسی کو قتل کیا، اس کے پاس اس پر گواہ بھی ہو تو مقتول کا سامان اس کا ہوگا۔"

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ بدر کے دن بیس لوگوں کو قتل کیا تھا، ان سب کے سامان رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیے۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ خیبر میں بیس لوگوں کو قتل کیا تھا اور ان کے سامان بھی لے لیے تھے۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمهما الله کے نزدیک مقتول کا سامان قاتل کو اس وقت ملتا ہے کہ جب امیر یا اس کا نائب اس کا اعلان کرے، جیسا کہ امیر یا اس کا نائب کہے کہ جس نے کسی کو قتل کیا تو مقتول کا سامان اسی کو ملے گا۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمهما الله کہتے ہیں کہ اس کے لیے امیر کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے، چاہے امیر کی اجازت ہو یا نہ ہو مقتول کا سامان قاتل کو ہی ملے گا۔

بعض علماء کے نزدیک مقتول کے سامان سے خُمس نہیں نکالا جائے گا، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے خمس اداء کیا جائے گا۔

دوسرے نمبر پر مؤونت ادا کیا جائے گا:

جب مقتولین کا سامان قاتلین کو دے دیا جائے تو اس کے بعد مؤونت (مشقت ، خرچہ)اداء کیا جائے گا۔

تیسرے نمبر پر خُمس نکالا جائے گا:

مؤونت نکالنے کے بعد باقی غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے اور پھر اس میں قرعہ اندازی کی جائے گی، اور اس طورپر کہ پانچ پرچیاں لکھی جائیں، ایک پر لکھا جائے "لله" یعنی یہ حصہ اللہ کا ہے، یا" للمصالح" لکھا جائے، یعنی یہ حصہ مسلمانوں کے مصالح یعنی بیت المال کا ہے۔ پھر چار کاغذوں پر "للغانمین" لکھا جائے یعنی یہ حصہ مجاھدین کے لیے ہے۔ پھر ایسا کوئی شخص جو پہلے سے وہاں موجود نہ ہو ایک ایک کاغذ ہر حصے پر رکھ دے۔ پھر جس حصے کی پرچی پر "لله" یا "للمصالح" لکھا ہو تو وہ حصہ خُمس ہو گا اور باقی مجاھدین کے۔

چوتھے نمبر پر رَضَخ دیا جائے گا:

پھر رَضَخ (یعنی بچوں، عورتوں، غلاموں ، کافروں کا حصہ جب وہ جنگ میں حصہ لیں) خمس کے علاوہ باقی چار حصوں سے اداء کیا جائے گا۔ ان چار قسم کے لوگوں کو امیر جتنا مناسب سمجھے حصہ دے سکتا ہے، لیکن اس میں بھی دیگر مجاھدین کے حصے کے برابر نہیں دے سکتا۔

پانچوے نمبر پر مجاھدین کا حصہ اداء کیا جائے گا:

پھر باقی چار خُمس ان مجاھدین میں تقسیم کیے جائیں گے جو واقعے میں جنگ کی نیت سے حاضر ہوئے ہوں اور بالغ مسلمان ہوں۔

اس میں وہ عسکر جنہیں تنخواہ دی جاتی ہو اور وہ جو اپنی خوشی سے بغیر کسی تنخواہ اور مراعات کے جنگ کریں، یہ سب غنیمت میں ایک جیسے ہیں۔

اسی طرح وہ عسکر جو جنگ کریں اور وہ جو جنگ نہ کریں لیکن جنگ میں حاضر ہوں، یہ سب برابر ہیں۔

اسی طرح وہ جو جنگ کے شروع میں حاضر ہو اور وہ جو بعد میں آئیں اس حال میں کہ جنگ جاری ہو تو یہ دونوں بھی غنیمت میں برابر ہیں۔

اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو مجاھدین دوسرے مجاھدین کی مدد کے لیے دار الحرب میں اس حال میں داخل ہوں کہ جنگ جاری ہو تو وہ بھی غنیمت میں شریک ہوں گے، اگرچہ جنگ میں حاضر نہ ہوسکیں، یعنی ان کے پہنچنے سے پہلے ہی جنگ ختم ہو گئی ہو یا ایک قلعہ پہلے فتح ہوگیا ہو، کیوں کہ جہاد کا مقصد دشمن کو ڈرانا ہے۔

اسی طرح کسی گاؤں کے لوگ مجاھدین کے ساتھ جنگ میں حصہ لیں تو وہ بھی غنیمت میں شریک ہوں گے۔ اسی طرح اگر کوئی مجاھد جنگ کے درمیان بیمار ہوجائے تو وہ بھی غنیمت میں شریک ہوگا۔

چھٹے نمبر پر غنیمت اپنے مستحقین میں تقسیم کی جائے گی:

خُمس کی تقسیم میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خُمس رسول اللہ ﷺ کے دور کے بعد تین حصے کیا جائے گا، ایک حصہ یتیموں کا ہوگا، دوسرا مساکین کا ہوگا اور تیسرا مسافروں کا۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خُمس اس جگہ خرچ کیا جائے گا جہاں مجاھدین کا امیر مناسب سمجھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خُمس کے پانچ حصے کیے جائیں گے، جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الانفال۴)

اور رسول اللہ ﷺ کا حصہ اس جگہ خرچ کیا جائے گا جہاں اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت ہو اور امت کو اس کی ضرورت ہو، جیسا کہ مجاھدین کے اخراجات میں، اسلامی سرحدات کی حفاظت میں، اسلحے کی خریداری میں، قاضیوں، مفتیانِ کرام و علماءِ کرام، مؤذنین، مدرسین اور ائمۂ مساجد وغیرہ ذلک کے اخراجات میں۔

لیکن خُمس میں اس بات کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ عمومی امیر کا حق ہے، خُمس اسی کو بھیجا جائے گا اور وہی خُمس کے مصارف میں اسے خرچ کرے گا۔[1]

۱- یہ تحقیق زیادہ تر «تحریر الاحکام فی تدبیر اھل الاسلام» لشیخ الاسلام محمد بن ابراھیم (المتوفی ۲۰ جمادی الاولی ۷۳۳ھ من ۱۸۸ الی ۲۲۸) سے نقل کی گئی ہے۔

مسئلهٔ جعل

مسئلۂ جُعل

رسول اللہ ﷺ کے دور یا خیر القرون میں کسی سے جہاد کے لیے زبردستی مال نہیں لیا گیا، البتہ متاخرین علماء و فقہاء نے "جُعل" کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جب بہت ضرورت ہو۔

جُعل کے مسئلے کی تفصیل:

جُعل کی تعریف:

ان یکلف الامام الناس بان یقوی بعضھم بعضًا باالکراع والسلاح وغیر ذالك من النفقة والزاد

"امام لوگوں کو اس بات کا مکلّف کرے کہ وہ ایک دوسرے کو گھوڑوں، اسلحوں، پیسوں اور توشوں سے مضبوط کریں۔" (بحر الرائق)

«درر الحکام شرح غرر الاحکام» میں کہتے ہیں:

مایجعل الامام علی ارباب الاموال شیئًا بلا طیب انفسھم یتقوی به الغزاة

" جُعل اسے کہتے ہیں کہ امام مجاھدین کو قوی کرنے کے لیے مالداروں پر ان کی خوشی کے بغیر کچھ مقرر کرے۔"

جُعل کی شرط:

جُعل اس وقت جائز ہے کہ جب ضرورت زیادہ ہو، یعنی مجاھدین کے پاس اپنا مال نہ ہو اور بیت المال میں بھی کچھ نہ ہو، کیوں کہ جب انسان کے پاس اپنا مال ہو تو وہ کسی سے زبردستی جہاد کے لیے مال نہیں لے سکتا، کیوں کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (جہاد کرو اللہ تعالی کی راہ میں حق جہاد) بحر الرائق میں ہے کہ حق جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے مال اور نفس سے جہاد کرے۔

اسی طرح اللہ تعالی بار بار فرماتے ہیں کہ وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ (اپنے مال اور جانوں سے جہاد کرو) اور اسی طرح فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ (اللہ تعالی نے مؤمنوں سے ان کی جان اور مال دونوں خرید لیے ہیں۔)

اسی طرح بیت المال میں بھی کچھ نہ ہو، کیوں کہ اگر بیت المال میں کچھ ہو تو بھی جہاد کے لیے کسی سے زبردستی کچھ نہیں لیا جاسکتا۔ کیوں کہ بیت المال مسلمانوں کی ضرورت کے لیے مقرر ہے، اس لیے امیر کو چاہیے کہ جب بیت المال میں کچھ ہو تو مجاھد کو خرچہ دے۔

جب مجاھدین کے پاس مال نہ ہو اور بیت المال میں بھی کچھ نہ ہو تو پھر ایک دوسرے سے تعاون فرض ہے، کیوں کہ لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں، بعض لوگ جان و مال دونوں سے جہاد کر سکتے ہیں، بعض صرف جان سے کر سکتے ہیں اور بعض صرف مال سے۔

دلائل:

اس مسئلے (کہ ضرورت کے وقت جہاد کے لیے لوگوں سے مال یا غلہ یا کوئی اور چیز لینا جائز ہے) کی وضاحت کے لیے فقہاء نے بہت سے دلائل ذکر کیے ہیں۔ پہلے ہم اس سے متعلق آیات ذکر کریں گے۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار یہ امر کرتے ہیں کہ وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جان اور مال دونوں پر جہاد فرض کیا ہے کہ اگر کوئی شخص خود سے جہاد نہیں کرسکتا تو اس کو چاہیے کہ دوسرے مجاھدین سے مالی تعاون کرے اور دوسرے لوگوں کو بھی جہاد میں مالی تعاون کے لیے تیار کرے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن سے اس کی جان اور مال دونوں کا سودا کیا ہے، اس لیے اگر وہ خود جہاد نہیں کرسکتا تو اس کو چاہیے کہ دوسرے مجاہدین سے مالی تعاون کرے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون فرض ہے اور تعاون کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مجاہدین کے ساتھ مالی تعاون کیا جائے۔

جُعل کے بارے میں احادیث:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المؤمنون کالبنیان یشد بعضهم بعضًا

"مؤمنین کی مثال ایک آبادی کی سی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو مضبوط کرتے ہیں۔"

مضبوط کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مجاہدین کے ساتھ مالی تعاون کیا جائے۔

دوسری دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے صفوان سے ان کی رضا کے بغیر زرہیں لی تھیں۔ اس حدیث کی تفصیل یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے صفوان سے کہا کہ کیا تمھارے پاس کوئی اسلحہ ہے؟ تو اس نے کہا کہ آپ عاریتاً مانگ رہے ہیں یا غصب کے لیے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا کہ عاریتاً مانگ رہے ہیں۔ چناں چہ صفوان نے رسول اللہ ﷺ کو تیس سے چالیس تک زرہیں دے دیں۔ (رواہ احمد المسند جلد ۴۰۱ جلد ۳ ص ۴۶۵ جلد ٦)

فائدہ:

میری رائے میں (واللہ اعلم) اس حدیث سے جُعل کے جواز پر استدلال کمزور معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ صفوان سے زرہیں زبردستی نہیں لی گئی تھیں، بلکہ عاریتاً سوال کیا گیا تھا، اور پھر اس حدیث میں یہ بھی کہیں نہیں ہے کہ یہ زرہیں صفوان سے بغیر اس کی رضا کے لی گئی تھیں۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ غیر شادی شدہ لوگوں کو شادی شدہ لوگوں کی طرف سے غزا کے لیے بھیجتے تھے اور اسی طرح ویعطی الشاخص فرس القاعد یعنی جو شخص جہاد کے لیے جاتا تو اسے اس شخص کا گھوڑا دیتے جو جہاد کے لیے نہیں جاتا۔

عقلی دلائل:

جُعل کے جواز کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس میں ضررِ ادنیٰ کو اختیار کر کے ضررِ اعلی کو دور کیا جاتا ہے۔یعنی کفار کا غلبہ بڑا نقصان ہے اور لوگوں سے ان کی مرضی کے بغیر ان کا مال لینا چھوٹا نقصان ہے، اور بڑے نقصان کو ختم کرنے کے لیے چھوٹا نقصان اختیار کرنا جائز ہے۔

علامہ شاطبیؒ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر لوگ اپنے مال کا تھوڑا حصہ مجاھدین کو نہ دیں اور کفار غالب ہوجائیں تو یہ لوگ ایک بہت بڑے نقصان میں مبتلا ہوجائیں، کیوں کہ یہ اموال، گھر، علاقے سب کفار کے قبضے میں آجائیں گے۔

علامہ شاطبیؒ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وانما لم یُنقل مثل ھٰذا عن الاولین فی العصور الاسلامیۃ الاولیٰ لا تساع بیت المال فی زمانھم بخلاف زماننا

یہ طریقہ (یعنی جب امام عادل ہو اور لوگ اس کی تابعداری کریں اور بیت المال میں کچھ نہ ہو تو یہ امام مالداروں پر مال کا کچھ حصہ مقرر کرسکتا ہے)اولین زمانۂ اسلام سے نقل نہیں ہے، کیوں کہ ان کے زمانے میں بیت المال بہت فراوان ہوتا تھا، بر خلاف ہمارے زمانے کے۔ (کیوں کہ ہمارے زمانے میں مسلمانوں اور مجاھدین کے بیت المال میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔)[1]

١۔ مسئلۂ جُعل کی تفصیل درج ذیل کتابوں میں دیکھیں:
بحر الرئق ٢٩٠ جلد ٣ باب لایجب الجهاد علی صبی وامرأة وعبد الدرالمختار شرح تنویر الابصار ١٢٧ جلد ۴ کتاب الجهاد تبیین الحقائق شرح کنز الد قائق ٢٧٠ جلد ٩ کتاب السیر حاشیه ردالختار علی الدرالمختار ١٣٧ جلد ۴ دررالحکام شرح غرر الاحکام ٣٢٠ جلد ٣ حکم الجهاد ۔ ردالمختار ۴٢٩ جلد ١۵ کتاب الجهاد جمع الانهار فی شرح ملتقی الابحر ٢٨٣ جلد ۴ باب احکام الجهاد ، ملتقی الا بحر١٢١ جلد ١ الموسوعة الفقهیة الکویتیه ۴٢ جلد ۵ الاعتصام للشاطبی ١٠۴ جلد ٢ المستصفٰی للغزالی صفحه ٣٠٣

مسئلہ اغواء

مسئلۂ اِغواء

بعض مجاھدین لوگوں کو پکڑ کر ان سے پیسوں کا مطالبہ کرتے ہیں، جسے اغواء برائے تاوان بھی کہا جاتا ہے۔اِغواء کی دو قسمیں ہیں جن میں سے ایک جائز ہے اور دوسری ناجائز۔

ناجائز اغواء:

ناجائز اغواء یہ ہے کہ ایک بے گناہ آدمی کو پکڑا جائے جو کہ نہ کافر ہو، نہ مرتد، نہ اس پر شرعی طریقے سے کوئی جرم ثابت ہوا ہو، نہ ہی اس نے خود سے اقرار کیا ہو، نہ اس پر کسی نے گواہی دی ہو اور نہ ہی کوئی قرینہ موجود ہو۔ اس طرح کسی کو پکڑنا اور پھر اس سے پیسے لینا ناجائز ہے۔

دلائل:

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

لَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ

"ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔"

باطل ہر اس طریقے کو کہتے ہیں جو شریعت میں جائز نہ ہو، جیسا کہ چوری، ڈاکہ، سود وغیرہ، اور اس قسم کا اِغواء بھی شریعت میں ناجائز ہے۔

دوسری دلیل:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الا لا یحل مال امرأ الا بطیب نفس منه

"خبردار حلال نہیں ہے کسی مسلمان کا مال مگر اس کے دل کی رضا سے۔"

یہ پیسے بھی ایسے ہی مالک کی رضا کے بغیر لیے جاتے ہیں بلکہ زبردستی اور ظلماً لیے جاتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس نے ایک نوالہ بھی حرام کا کھایا تو اس کی چالیس دن کی عبادت نہیں قبول ہوگی۔

ایک اور حدیث میں جو کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ، وہ فرماتے ہیں:

من اشتری ثوبا بعشرة دراهم وفیه درهم حرام لم یقبل الله تعالیٰ له صلوة مادام علیه ثم ادخل اصبعیه فی اذنیه وقال صمتا ان لم یکن النبی ﷺ سمعته یقوله (رواہ احمد والبیهقی فی شعب الایمان وقال اسنادہ ضعیف)

"جس نے دس روپے کا کوئی کپڑا خریدا اور اس میں ایک روپیہ حرام کا ہو تو جب تک وہ کپڑا اس پر ہوگا اس وقت تک اس کی نماز نہیں قبول ہوگی۔ پھر انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ڈال لیں اور فرمایا کہ میرے یہ کان بہرے ہوجائیں اگر میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے نہ سنی ہو۔

مسائل:

اگر کسی بےگناہ شخص کے بارے میں کوئی شکایت کرے اور گواہی دے کہ یہ مرتد ہے یا منافق اور جاسوس ہے وغیرہ، اور پھر مجاھدین اُس شخص کو اِغواء کرلیں اور اس سے پیسے لے لیں تو اس کی دنیا و آخرت کی ذمہ داری ان لوگوں پر ہے جنہوں نے ایک بےگناہ شخص کو مجاھدین کے سامنے مجرم اور گناہ گار ثابت کیا۔

بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے:

الا انبئکم باکبرالکبائر قول الزور او شھادۃ الزور

"کیا میں تمھیں سب سے بڑے گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں، وہ جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی ہے۔"

ان گواہوں نے دو طرح کا گناہ کیا، ایک یہ کہ پاک اور بےگناہ آدمی کو بدنام کیا کہ اسے کافر یا مرتد یا جاسوس ثابت کیا، اور دوسرا گناہ یہ کہ ان کی اس غلط بیانی کی وجہ سے اس شخص کو نقصان پہنچا اور اس سے مال لیا گیا۔

اس وجہ سے مجاھدین کو چاہیے کہ دو باتوں کا بہت خیال رکھیں، ایک یہ کہ جس شخص کے بارے میں ان کو معلومات دی جائے تو وہ اس کی صحیح تحقیق کریں کہ آیا وہ یقینی مجرم ہے بھی یا نہیں۔ دوسری بات یہ کہ جب مجاھدین ان گواہوں پر حُسنِ ظن رکھیں اور وہ شخص انہیں یقینی مجرم لگے اور وہ اسے اِغواء کرکے اس سے پیسے لے لیں، اور اس کے بعد یہ بات ثابت ہوجائے کہ یہ شخص بےگناہ ہے، اِغواء کرنے اور پیسے لینے کے لائق نہ تھا، تو ایسے گواہوں کو تعزیر اور سزا دینی چاہیے۔[1]

جھوٹی گواہی اکثر علماء کے نزدیک دو طریقوں سے معلوم ہوتی ہے۔ ایک اقرار سے، یعنی گواہ اقرار کرے کہ میں نے جھوٹی گواہی دی تھی۔ دوسرا یہ کہ وہ ایک ایسی چیز کی گواہی دے کہ جو ظاہری اور واضح طور پر جھوٹ معلوم ہوتی ہو[2]، جیسا کہ ایک آدمی ایسی گواہی دے کہ میں نے فلاں شخص کو فلاں وقت فلاں جگہ انگریزوں کے ساتھ دیکھا تھا، حالاں کہ اس وقت وہ شخص کسی اور جگہ تھا، یا یہ گواہی دے کہ اس شخص نے فلاں مجاھد کو شہید کیا تھا حالاں کہ اس کے قاتل معلوم ہوں۔

اسی طرح فقہاء کہتے ہیں کہ گواہ کسی شخص کے خلاف کسی کام کی ایسی جھوٹی گواہی دیں کہ جس کی وجہ سے وہ قتل کردیا جائے تو اگر یہ گواہی جان بوجھ کر دی گئی ہو گی تو یہ گواہ قصاصا قتل کیے جائیں گے، اور اگر ان سے غلطی ہوئی ہوگی تو ان پر دیت لازم ہوگی۔اسی طرح اگر کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دی اور اس کی وجہ سے اس کا مال ہلاک ہوا تو اس کا تاوان بھی گواہوں پر آتا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں دو گواہوں نے کسی شخص کے بارے میں چوری کی گواہی دی، علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اس کے بعد وہ گواہ ایک دوسرے شخص کو لے کر آئے اور کہا کہ پچھلے شخص کے بارے میں ہمیں مغالطہ ہوگیا تھا، اصل چور یہ ہے، علی رضی اللہ عنہ نے ان کی دوسری گواہی باطل قرار دی اور ان سے پہلے شخص کے ہاتھ کی دیت لی اور ان سے فرمایا کہ اگر تم لوگوں نے پہلی گواہی قصداً جان بوجھ کر دی ہوتی تو میں تمھارا ہاتھ کاٹ دیتا۔[3]

جائز اِغواء:

۱ - الموسوعة الفقهية الكويتية ص ۲۵۴ جلد ۲۶ میں کہتے ہیں کہ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو شخص جھوٹی گواہی دے تو اسے تعزیر اور سزا دی جائے، البتہ پھر سزا کے طریقے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

2۔ الموسوعة الفقهية الكويتية ص ۲۵۴ جلد ۲۶

۳ - مجموع شرح المهذب ص ۲۷۸ جلد ۲۰ معرفة السنن والآثار للبيهقی ص ۴۴ جلد ۱۶ وکذا فی سنن کبرٰی للبیهقی ۲۵۱ جلد ۱۰

اِغواء کی دوسری جائز قسم یہ ہے کہ جب کسی شخص پر شرعی طریقے کے مطابق ثابت ہوجائے کہ یہ کافر یا مرتد ہے، جیسا کہ وہ خود سے اقرار کرے، یا گواہ اس کے بارے میں گواہی دیں، یا اس پر قوی قرینے موجود ہوں، جیسا کہ جاسوسی کا خصوصی سامان اس کے پاس ہو، تو ایسے لوگوں کو اِغواء کرنا اور پیسوں کے بدل میں آزاد کرنا جائز ہے۔

جائز اِغواء کے دلائل:

پہلی دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان مبارک ہے:

وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ (التوبة۵)

"انہیں پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کے لیے ہر گھات میں بیٹھو۔"

اس آیت میں اللہ تعالی نے پکڑنے کا حکم دیا ہے، اور پکڑنا اور اِغواء کرنا ایک ہی چیز ہے۔ کسی کافر کو جنگ میں پکڑا جائے یا راستے میں یا گھر میں یا کسی بھی دوسرے طریقے سے اسے اٹھایا جائے، یہ سب برابر ہیں۔ شریعت میں پکڑنے اور اِغواء کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جائز اِغواء کی دوسری دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان مبارک ہے:

فَشُدُّوا الْوَثَاقَ (محمد۴)

اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ان کو مضبوط باندھو، اور باندھنا، پکڑنا اور اِغواء کرناایک ہی چیز ہے۔پھر پکڑنے کے بعد اللہ تعالی کا حکم یہ ہے:

فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً (محمد۴)

یعنی باندھنے کے بعد یا تو ان پر احسان کرو یعنی ایسے ہی آزاد کردو بغیر کسی بدل کے، یا ان سے مال اور فدیہ لے لو، اور جب ان سے مال لے لیا جائے تو اس مال کو اللہ تعالی نے غنیمت فرمایا ہے:

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا (الانفال۹)

"کھاؤ اس میں سے جو تم غنیمت میں حاصل کرو حلال اور پاک۔"

یعنی یہ غنیمت ہے اور حلال و پاک ہے۔ قیدیوں کے ساتھ چار طرح کے معاملات جائز ہیں، رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ چار طرح کا معاملہ فرمایا:

۱۔ کبھی ان کو قتل کیا، جیسا کہ عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا تھا، اسی طرح ابو عزۃ جمحی کو قتل کیا، بنو قریظہ قبیلے کے تمام مرد قتل کیے، فتح مکہ کے دن بعض لوگوں کے قتل کا اعلان فرمایا۔ جس نے مسلمانوں کو بہت تکلیف پہنچائی تھی، یا اسلام کے پرانے دشمن تھے، یا جس نے عہد شکنی کی تھی تو اسے رسول اللہ ﷺ نے قتل کیا۔

۲۔ کبھی قیدیوں پر احسان کیا اور بغیر کسی مال کے ان کو آزاد کردیا، جیسا کہ ثمامہ ابن اُثال کو بغیر کسی مال اور فدیے کے آزاد کیا، ابو عزہ جمحی پر بھی پہلے احسان کرکے بغیر کسی مال و فدیے کے آزاد کردیا البتہ جب دوسری دفعہ پکڑا تو اس کے قتل

کا حکم فرمایا۔ بنو مصطلق پر احسان کیا، اسی طرح اہلِ مکہ کے لیے فرمایا کہ اذھبوا فانتم الطلقاء (جاؤ تم لوگ آزاد ہو)۔ اسی طرح ہوازن کے چھ ہزار قیدیوں کو معاف کیا۔ جس نے مسلمانوں کو زیادہ نقصان نہیں پہنچایا ہوتا، یا اس کی اسلام سے دلی دشمنی نہ ہوتی، یا اس نے عہد شکنی نہ کی ہوتی تو اسے رسول اللہ ﷺ معاف فرماتے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی رحمت اور شفقت آپ ﷺ کے غصے اور غضب پر غالب تھی۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی قیدیوں سے فدیہ بھی لیا، اور فدیے میں کبھی مال لیا جیسا کہ بدر کے قیدیوں سے مال لیا۔

کبھی آپ ﷺ نے فدیے میں خدمت حاصل کی، جیسا کہ جنگِ بدر کے جن قیدیوں کے پاس روپے نہیں تھے تو انہیں انصار کے دس دس بچے حوالے کردیے تاکہ وہ ان بچوں کو لکھنا سکھائیں، کیوں کہ مکہ والے لکھنا جانتے تھے اور مدینہ میں لکھنے کا رواج نہ تھا۔

کبھی رسول اللہ ﷺ نے فدیے میں مسلمان قیدی آزاد کرائے، جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ سے ایک خوبصورت باندی ہدیے کے طورپر لی اور پھر اس کے بدلے مکے سے مسلمان قیدی آزاد کرائے، اسی طرح عقیل قبیلے کے ایک قیدی کے بدلے میں دو مسلمان قیدی آزاد کرائے۔

۴۔ بعض قیدیوں کو رسول اللہ ﷺ نے غلام بھی بنایا۔ آج کل پہلے تین طریقے تو موجود ہیں، یعنی قیدی کو قتل کرنا، یا احسان کرکے چھوڑ دینا، یا فدیہ لے کر آزاد کرنا، لیکن چوتھا طریقہ نہیں ہے، کیوں کہ بہت عرصہ ہوا کہ مسلمانوں نے صحیح طریقے سے جہاد کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ کچھ عرصہ بعد جب مسلمان صحیح طریقے سے جہاد جاری رکھیں گے تو یہ طریقہ بھی زندہ ہوجائے گا۔

دوسری دلیل: خالد رضی اللہ عنہ اور اکیدرہ کا واقعہ

رسول اللہ ﷺ نے خالد رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس مجاہدین کے ساتھ اُکیدر کے پیچھے بھیجا، اُکیدر نصرانی تھا، "دومۃ الجندل" کے علاقے کا رہنے والا اور "کِندَہ" قبیلے کا بڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اگر قابو آجائے تو زندہ لانا اور قتل نہیں کرنا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اسے گرفتار کرلیا، پھر اس سے کثیر مال لیا۔ بعض روایات کے مطابق دو ہزار اونٹ اور بعض کے مطابق ۲۸ سو اونٹ لیے۔ آٹھ سو غلام، ہزار زرہیں، ہزار نیزے لیے۔ اس میں سے خُمس بیت المال کو دیا اور باقی مجاہدین میں تقسیم کیا گیا۔[4]

چوتھی دلیل: عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف نے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پکڑلیا۔ صحابہ کرام نے اپنے ساتھیوں کے بدلے میں بنو عقیل کے ایک آدمی کو راستے سے اِغواء یعنی گرفتار کرلیا، کیوں کہ بنو عقیل قبیلہ ثقیف کے اتحادی تھے۔ اس شخص کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے اور باندھ دیا اور پھر اس کے بدلے میں اپنے دو ساتھی رہا کرائے۔ (امشکوٰۃ ۳۴۶ جلد۲)

فائدہ:

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ راستے سے کافر کو گرفتار کرنا جائز ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کافر سے

4۔ حاصل المقتفی من سیرۃ المصطفیٰ ص۷۷ دلائل النبوۃ للبیھقی ص ۳۳۳ جلد ۵ زاد المعاد ص ۴۷۱ جلد ۳ سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ص ۲۲۱ جلد ۶ او الرحیق المختوم

صلح کا معاہدہ ہو اور وہ عہد شکنی کرکے اپنی صلح کو ختم کردے ، اور اس کا اتحادی معاہد دوسرا کافر اس پر رد نہ کرے اور اسے منع نہ کرے تو یہ دوسرا کافر بھی پہلے کی طرح ہی شمار ہوگا، جیسا کہ بعض علماء کے مطابق نبی ﷺ اور ثقیف کے درمیان معاہدہ تھا اور بنو عقیل، ثقیف کے اتحادی اور معاہد تھے، تو جب ثقیف نے معاہدہ توڑا اور بنو عقیل نے ان پر رد نہ کیا اور انہیں منع نہ کیا تو یہ ایسا ہوا کہ گویا بنو عقیل نے معاہدہ توڑا ہے۔[5] اسی وجہ سے صحابہ کرام نے بنو عقیل کے ایک آدمی کو راستے سے اِغواء کرلیا۔

پانچویں دلیل: ثمامہ ابن اثال رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف اپنے شہسوار بھیجے ہوئے تھے، انہوں نے راستے میں ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو اِغواء کرلیا (یہ یمامہ کے لوگوں کے بڑے تھے اور عمرے کے لیے جارہے تھے)، انہیں مدینہ طیبہ لےآئے اور مسجد میں ایک ستون سے باندھ دیا، اس کے بعد اللہ تعالی نے انہیں ایمان نصیب کیا۔ (متفق علیہ)

یہ عمرے عبادت کے لیے جارہے تھے لیکن صحابہ کرام نے ان کو گرفتار (اِغواء) کرلیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کافر کو عبادت میں اور عبادت کی جگہ میں بھی گرفتار کرنا جائز ہے۔

چھٹی دلیل: سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا واقعہ

سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ نے چار مشرکوں کو اغواء کیا اور رسول اللہ ﷺ کے حوالے کردیا۔ اس کی تفصیل مسلم شریف اور دیگر کتابوں میں موجود ہے۔

یہ واقعات جو ہم نے ذکر کیے ان میں رسول اللہ ﷺ نے ان گرفتار اور اِغواء شدہ لوگوں کے ساتھ قیدیوں والا معاملہ کیا اور قیدیوں کے احکام ان پر جاری کیے۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کا قول:

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب جنگ میں کوئی کافر پکڑلیا جائے، یا بغیر جنگ کے پکڑلیا جائے، مثلا کوئی کافر دریا میں کشتی میں بیٹھا ہو اور ہوا اسے مسلمانوں کے دریا کے کنارے لے آئے، یا کوئی کافر راستہ بھٹک کر مسلمانوں کی طرف آجائے ، یا کسی اور طریقے سے (مثلا اغواء کے ذریعے) پکڑلیا جائے، تو اس کا حکم قیدی کا ہے۔ اس کے بارے میں مسلمانوں کا امیر مصلحت کو دیکھ کر فیصلہ کرے گا ، چاہے تو قتل کرے یا غلام بنائے یا احسان کرکے چھوڑ دے یا مال کے بدلے آزاد کرے یا قیدیوں کے بدلے میں۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ کہتے ہین کہ جب کوئی حربی کافر بغیر امن کے دار الاسلام آجائے اور کوئی مسلمان اسے پکڑ لے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حربی تمام مسلمانوں کے لیے مال فئ ہے اور صرف پکڑنے والے کا حق نہیں، جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ یہ صرف پکڑنے والے کا حق ہے۔

5 ۔ غریب الحدیث ۳۸۰ جلد۱ بحوالہ فتاوی الدین الخالص ص ۲۴۱

بیت المال کی اقسام اور مصارف

بیت المال کی اقسام اور اس کے مصارف

بیت المال میں جو اموال آتے ہیں تو اس کے مصارف مختلف ہوتے ہیں۔ بعض اموال کسی ایک کام میں لگائے جاتے ہیں تو بعض کسی دوسرے کام میں۔ اسی وجہ سے بیت المال کے اموال جدا جدا ہونے چاہییں، تاکہ ہر ایک اپنے مصرف میں آسانی سے لگا لیا جائے۔

اسی وجہ سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بیت المال میں زکوۃ کے اموال جدا ہوں گے اور خراج کے اموال جدا، کیوں کہ خراج کے اموال میں تمام مسلمانوں کا حصہ ہوتا ہے اور زکوۃ کے وہ آٹھ مصارف ہیں جنہیں قرآن نے بیان کیا ہے۔
(الخراج للامام ابو یوسف ص۸)

احناف کہتے ہیں کہ بیت المال کے اموال چار حصوں میں تقسیم کرنے چاہییں، اور ضرورت کے وقت میں ایک حصہ دوسرے حصے سے قرض بھی لے سکتا ہے۔ (در مختار وحاشیہ ابن عابدین ص ۵۷ جلد ۲ ص ۲۸۲ جلد ۳)

بیت المال کی چار اقسام:

۱۔ بیت الزکوۃ: زکوۃ کے آٹھ مصارف قرآن کریم نے بیان کیے ہیں۔ اس میں امام ماوردی رحمہ اللہ نے ایک اختلاف یہ ذکر کیا ہے کہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ ان اموال پر بیت المال کا قبضہ ہے اس لیے یہ بیت المال کا حق ہے، اور امیر کو اس میں اختیار ہے کہ جہاں چاہے لگائے، جیسا کہ مالِ فئ۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بیت المال صرف حفاظت کے لیے ہے ،لہٰذا زکوۃ کے اموال صرف اپنے مصارف میں خرچ کیے جائیں گے۔

۲۔ بیت الاخماس: جس میں غنیمت کا خُمس جمع کیا جاتا ہے، خُمس کے مصارف بھی قرآن نے بیان کیے ہیں۔ (الانفال۲)

۳۔ بیت الضوائع: جس میں ضائع اموال جمع کیے جاتے ہیں۔ احناف کے نزدیک اس کا مصرف وہ غریب ہیں جو کہ لقیط (کہیں سے پائے گئے) ہیں یا پھر وہ غریب جن کے رشتہ دار نہ ہوں۔ جبکہ احناف کے علاوہ دیگر علماء کا مذہب ظاہراً یہ ہے کہ یہ عام ضروریات میں خرچ کیا جائے گا۔

۴۔ بیت مال الفئ: جس میں مالِ فئ جمع کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل پہلے گزرچکی ہے۔

بیت المال کا نظم بننا اور خراب ہونا:

بیت المال اس وقت منظّم ہوتا ہے کہ جب امیر عادل ہو، صحیح طریقے سے مال جمع کرے اور اسے صحیح مصرف میں خرچ کرے، اور بیت المال اس وقت خراب ہوتا ہے کہ جب امیر عادل نہ ہو، ناحق طریقے سے مال جمع کرے، یا مال تو صحیح طریقے سے جمع کرے لیکن خرچ صحیح طریقے سے نہ کرے، جیسا کہ اپنے ذاتی فائدے کے لیے مال لگائے یا اپنے رشتہ داروں کو دے یا مستحق کی بجائے غیر مستحق کو دے۔ بیت المال کے خراب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بیت المال کے ذمہ دار کا احتساب نہ کیا جائے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کبھی بیت المال کی خرابی کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ مال خلط ملط ہو اور مال کی چار اقسام

کو ایک دوسرے سے جدا نہ کیا جائے۔

بہرحال مجاہدین کو چاہیے کہ اپنابیت المال منظّم اور قوی کریں، اقتصادی کوششیں کریں اور اقتصاد کی بہتری کے لیے حلال اور جائز راستے تلاش کریں۔

تنبیہات

تنبیہات

پہلی تنبیہ: قتل میں احتیاط اور شک کی بنیاد پر قتل سے پرہیز

بعض مجاھدین شک کی بنیاد پر لوگوں کو قتل کرتے ہیں کہ یہ مرتد ہے، یہ منافق ہے، یہ جاسوس ہے۔ شرعی طریقے سے جرم ثابت نہیں کرتے، نہ گواہ ہوتے ہیں، نہ اس نے خود سے اقرار کیا ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی قوی قرینہ موجود ہوتا ہے۔قرینے کی مثال جیسا کہ جاسوسی کا خصوصی سامان جو کہ جاسوس جاسوسی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

اِمارتِ اسلامیہ کے لائحے میں قرینے کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ کمزور قرینہ: اس میں معمولی تعزیر اور سزا دی جائے گی۔

۲۔ قوی قرینہ: اس میں قرینے کی قوت کے مطابق سزا دی جائے گی۔

۳۔ انتہائی مضبوط قرینہ: وہ قرینہ جس سے یقین حاصل ہو۔ اس میں عمومی امیر یا اس کے نائب یا قاضی کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ اسے قتل کردے، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء:٩٤)

"اے مؤمنو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کرو اور اس شخص کو جو تمہیں سلام کرے یہ نہ کہو کہ تم مؤمن نہیں ہو۔"

تفسیرِمدارک میں کہتے ہیں کہ اس آیت میں "فَتَبَيَّنُوْا" کا لفظ دو دفعہ آیا ہے، ایک دفعہ شروع میں اور دوسری دفعہ آخر میں،اس کا مقصد یہ ہے کہ اچھی تحقیق اور اچھی معلومات کرو۔ اسی طرح اللہ تعالی فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات:٦)

"اےمؤمنو! اگر تمھارے پاس کوئی بے خبر آدمی کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کرو۔"

مسلمان کے قتل کے بارے میں احادیث:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل رجل مسلم (الترمذی، النسائی)

"دنیا کا ختم کرنا بہت آسان ہے اللہ تعالی پر ایک مسلمان کے قتل سے۔"

یعنی اگر پوری دنیا ختم ہوجائے تو پھر بھی یہ ایک معمولی بات ہے لیکن ایک مسلمان کا قتل اس سے بھی بڑی بات ہے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لو ان اھل السماء والارض اشترکوا فی دم مؤمن لاکبھم اللہ فی النار (الترمذی)

" اگر آسمان والے اور زمین والے ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہوجائیں تو اللہ تعالی ان سب کو اس کی وجہ سے اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیں گے۔"

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا قول:

جب ولید بن عبد الملک بادشاہ کے دور میں عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ حجاز کے والی تھے، پھر ۹۳ھ میں معزول ہوگئے۔ اپنی معزولی سے پہلے ولید بادشاہ نے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو خط لکھا کہ خبیب بن عبداللہ بن زبیر رحمہ اللہ کی پٹائی لگواؤ اور ان کے سر پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ سردی کے دن تھے، عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے انہیں پچاس کوڑے لگوائے اور پھر ان کے سر پر ٹھنڈا پانی ڈلوایا اور پھر مسجد کے دروازے پر کھڑا کردیا۔ اسی دن خبیب رحمہ اللہ کی وفات ہوگئی۔

اس کے بعد عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ان کی وفات پر بہت اداس ہوئے اور بہت زیادہ اللہ تعالی سے ڈرے۔ جب کوئی انہیں آخرت کی کوئی خوشخبری دیتا تو کہتے کہ کیف وخبیب لی بالطریق (میں کیسے جنت میں جاؤں گا جبکہ خبیب میرے لیے راستے میں بیٹھا ہوگا؟)، پھر کسی بوڑھی عورت کی طرح چیختے۔ اگر کبھی کوئی ان کی تعریف کرتا تو فرماتے کہ اگر خبیب سے بچ گیا تو میں فائدے میں ہوں۔

خبیب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد اپنے عہدے سے استعفاء دے دیا، انتہائی افسردہ رہتے، بہت زیادہ عبادت کرتے اور اللہ کے سامنے آہ و زاری کرتے۔ خبیب رحمہ اللہ کا قتل ان کی ایک غلطی تھی لیکن اس کی وجہ سے انہیں بہت خیر ملی، کیوں کہ اس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ عبادت اور اللہ کے سامنے آہ و بکا کرتے، غمزدہ اور افسردہ رہتے، احسان اور عدل کرتے۔

غرض یہ کہ ان کے ہاتھ سے ایک بےگناہ شخص قتل ہوگیا تو وہ اتنے اداس رہتے، لیکن آج کل بے حساب بےگناہ لوگ قتل ہوتے ہیں۔

ابن جریر رحمہ اللہ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک مقتول آئے گا، ایک ہاتھ میں اپنا سر پکڑا ہوگا اور دوسرے ہاتھ میں قاتل کو، عرش کے سامنے آکر کہے گا کہ اے میرے رب اپنے اس بندے سے پوچھ کہ مجھے اس نے کس جرم میں قتل کیا تھا؟

دوسری تنبیہ: قتلِ خطاء میں کفارہ اور دیت دینا

بعض مجاھدین سے قتلِ خطاء ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے ان پر کفارہ اور دیت لازم ہوتا ہے لیکن وہ نہ کفارہ پورا کرتے ہیں اور نہ دیت دیتے ہیں۔

قتل کی اقسام اور احکام:

اس مسئلے کی وضاحت کے لیے قتل کی اقسام اور اس کے احکام جاننے کی ضرورت ہے۔ شریعت میں قتل کی پانچ اقسام ہیں:

۱۔ قتلِ عمد ۲۔ قتلِ شبیہ بالعمد ۳۔ قتلِ خطاء ۴۔ جاری مجریٰ خطاء ۵۔ قتل بالسبب

۱۔ قتلِ عمد:

قصداً کسی شخص کو اسلحے (جیسا کہ خنجر، بندوق وغیرہ) کے ذریعے یا کسی کاٹنے والی چیز (جیسا کہ کاٹنے والی لکڑی یا پتھر وغیرہ) سے قتل کرنے کو قتلِ عمد کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ قتل کے اسباب بھی اختیار کرے اور قتل کا ارادہ بھی ہو۔

قتلِ عَمَد کا حکم:

قتلِ عَمَد کا حکم قصاص ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى (البقرة : ۱۷۸)

"فرض کیا گیا ہے تم پر قتل کا بدل لینا۔"

البتہ اگر ورثاء معاف کردیں یا مال کے بدلے چاہے مال کم ہو یا زیادہ، صلح کرلیں تو پھر قصاص نہیں ہے۔ قتلِ عمد میں گناہ بھی ہے ، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ (النساء : ۹۳)

"جس نے کسی مسلمان کو قصدا قتل کیا تو اس کی سزا جھنم ہے۔"

احناف کے مذہب کے مطابق قتلِ عَمَد میں کفارہ نہیں ہے۔

۲۔ قتلِ شبیہ بالعمد:

شبیہ بالعَمَد اسے کہتے ہیں کہ قصدا کسی شخص کو کسی ایسی چیز سے مارے جو کہ اسلحہ نہ ہو یا اسلحے کی طرح کاٹتا نہ ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ قتل شبیہ بالعماد کے بارے میں کہتے ہیں کہ قصدا کسی شخص کو ایسی چیز سے مارے جو کہ غالبا قتل کے لیے استعمال نہیں ہوتی، جیسا کہ لاٹھی، مکا، چھوٹا پتھر، چھوٹی لکڑی وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ قتل کے اسباب نہ ہوں اور قتل کا ارادہ بھی نہ ہو۔

حکم:

اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں قصاص نہیں ہے لیکن گناہ اور کفارہ ہے۔ اس کا کفارہ قاتل پر دوہ مہینے کے لگاتار ساٹھ (۶۰) روزے اور ورثاء پر دیت مغلظہ ہے۔ دیت مغلظ کی مقدار سواونٹ ہیں، جن میں چالیس حاملہ، تیس حقے اور تیس جذعے ہوں۔ یہ تین قسم کے اونٹ ہیں اور بعض کے نزدیک چار قسم کے اونٹ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ دیت میں نقدی بھی دے سکتے ہیں جبکہ بعض علماء کے نزدیک نقدی نہیں دے سکتے، شامی میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

۳۔ قتلِ خطاء:

قتلِ خطاء اسے کہتے ہیں کہ کسی شخص کو اپنے کام میں مغالطہ ہوجائے۔ اس میں پھر دو صورتیں ہیں:

- ایک یہ کہ کافر کو مارنے کا ارادہ کرے لیکن غلطی سے مسلمان قتل ہوجائے۔
- دوسری صورت یہ ہے کہ کافر کو مارنے کا قصد (یعنی نیت) کرے لیکن وہ مسلمان ہو، یا شکار کو مارنے کا ارادہ کرے لیکن وہ انسان ہو۔

پہلی قسم کو "خطاء فی الفعل" کہتے ہیں، کیوں کہ اس کو کام میں غلطی ہوئی ہے، نیت اور ارادے میں غلطی نہیں ہوئی۔ دوسری قسم کو" خطاء فی القصد" کہتے ہیں، کیوں کہ اس کو اپنے گمان میں غلطی ہوئی ہے کہ اس نے مسلمان پر کافر حربی کا گمان کیا،

یا انسان پر شکار کا گمان کیا، یہ خطاء فی الفعل نہیں ہے کہ جس چیز کا ارادہ کیا ہو تو اسی کو مارا ہو۔ لہٰذا قتلِ خطاء کی دو قسمیں ہوئیں، ایک کام میں اور دوسری ارادے میں۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ قتلِ خطاء میں قتل کے اسباب استعمال ہوتے ہیں لیکن مسلمان کے قتل کا ارادہ نہیں کیا گیا ہوتا۔

حکم:

اس میں کفارہ بھی لازم ہوتا ہے اور ورثاء پر دیت بھی۔ دیت سو اونٹ ہیں جو کہ پانچ قسم کے ہوں گے، بیس ابنِ مخاض، بیس بنتِ مخاض، بیس بنتِ لبون، بیس حقے اور بیس جذعے۔ یہ ورثاء کو تین سال میں قسطوں میں ادا کرنا ہوتے ہیں۔ یا پھر دس ہزار نقد، ہر زمانے کی اپنی نقدی کا اعتبار ہے۔ عورتوں کی دیت آدھی ہوتی ہے، مثلا پانچ ہزار۔

قرطبیؒ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قتلِ خطاء کی اقسام کثیر ہیں، لیکن ان سب میں جامع عدمِ قصد ہے۔ جیسے کوئی شخص کافروں پر حملہ کرے اور اس سے مسلمان قتل ہوجائے، یا شکار یا نشانہ بازی کرے اور مسلمان کو لگ جائے، یا کسی کو کافر سمجھ کر مارے لیکن وہ مسلمان ہو، یا ایکسیڈینٹ اور حادثے میں کسی کو قتل کردے، تو ایسے قاتل پر کفارہ اور دیت لازم ہوتی ہے۔

اگر مجاھدین سے قتلِ خطاء ہوجائے تو اس کی دیت مجاھدین کے بیت المال پر آتی ہے، جیسا کہ ابن ابی عاصم «الدیات» میں باب ذکر کرتے ہیں باب اذا قتل قوما ممن لا یجب قتلھم (یعنی جب مجاھدین سے ایسا قتل ہوجائے جو کہ واجب نہ ہو)، پھراس باب میں یہ حدیث ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خثم قبیلے کی طرف بھیجا، خالد رضی اللہ عنہ سے وہاں مسلمان قتل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی آدھی دیت عطاء کری۔

چناں چہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دیت بیت المال پر آتی ہے، اور پھر اس حدیث میں آدھی دیت کا ذکر ہے۔ اس وجہ سے بعض علماء کہتے ہیں کہ جو مسلمان کفار کے درمیان رہتے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے تو ان کے لیے آدھی دیت ہے، کیوں کہ اس میں ان کی اپنی غلطی ہے کہ وہ ہجرت کیوں نہیں کرتے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حدیث کے یہ الفاظ ضعیف ہیں، اس لیے پوری دیت دی جائے گی۔

اسی طرح بخاری کی حدیث میں آتا ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بنو جذیمہ کے لوگ مارے گئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کے مقتولین اور اموال کی دیت اور تاوان اداء کیے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہین کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام یا اس کے نائب سے غلطی ہوجائے تواس کی دیت بیت المال پر ہے۔ (ابن کثیر ص۲ج۲)

اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب خالد رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ کو مارا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کے بھائی متمم بن مویرہ کو دیت دی۔ اسی طرح ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں دومۃ الجندل کی فتح کے بعد خالد رضی اللہ عنہ سے دو لوگ غلطی سے قتل ہوگئے جو کہ مسلمان ہوچکے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے پاس امن کا خط بھی تھا لیکن مسلمانوں کو معلوم نہ تھا۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا توان دونو ں کی دیت دی اور فرمایا کہ ان کی اولاد کا خیال رکھو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کی وجہ سے خالد رضی اللہ عنہ کی شکایت کی، جیسا کہ مالک بن نویرہ کی وجہ سے شکایت کی کہ خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کیا جائے کیوں کہ انہوں نے مسلمانوں کو قتل کیا ہے۔ چناں چہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ گناہ تو ان دونوں کا اپنا ہے کہ مشرکوں کے ساتھ رہتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ انا بریءمن کل ساکن المشرک فی دارہ (کما فی البدایۃ والنھایۃ)

البتہ اگر بیت المال نہ ہو تو پھر دیت قاتل کے ورثاء پر آتی ہے۔ البتہ اگر مقتول مسلمان ہو اور اس کے ورثاء حربی کافر ہوں تو

پھر اس کی دیت نہیں ہوگی صرف کفارہ ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (النساء:٢٩)

"اگر یہ مقتول اس قوم سے ہو جو کہ تمھاری دشمن ہے اور مقتول مؤمن ہو تو ایک مؤمن غلام کو آزاد کرنا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اس میں دیت نہیں ہے صرف کفارہ ہے۔ (ابن کثیر ص:٦٧٢ ج:٢)

جار مجریٰ خطاء:

جیسا کہ کوئی شخص سوتے ہوئے کسی کو کروٹ لیکر دبا دے اور وہ مر جائے، یا کوئی عورت اپنے بچے پر کروٹ لیلے اور بچہ مر جائے تو اسے جاری مجریٰ خطاء کہتے ہیں۔ اسے یہ اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ یہ حقیقت میں خطاء نہیں ہے، کیوں کہ اس سوتے ہوئے شخص نے کسی چیز کا قصد (نیت اور ارادہ) نہیں کیا کہ جس میں اس کو خطاء ہوگئی ہو۔ یہ قتل خطاء کے حکم میں اس لیے ہے کیوں کہ یہ اس قتل میں معذور ہے، جیسا کہ قتلِ خطاء والا معذور ہوتا ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں کفارہ ہے اور دیت بھی ورثاء پر آتی ہے۔

قتل بالسبب:

قتل بالسبب اسے کہتے ہیں کہ ایک شخص کسی دوسرے کی مِلک میں کنواں کھودے اور کوئی اس میں گر کر مر جائے یا کسی اور کی ملکیت میں پتھر رکھ دے اور اس کی وجہ سے کوئی مرجائے۔

حکم:

اس میں ورثاء پر دیت لازم ہوگی، کیوں کہ اس شخص نے زیادتی کی ہے کہ کسی اور کی ملک میں کنواں کھودا یا پتھر رکھا جو کہ کسی کی ہلاکت کا سبب بن گیا۔

اس میں کفارہ نہیں ہے کیوں کہ اس نے خود قتل نہیں کیا، قتل کا گناہ بھی اس شخص کو نہیں ملے گا، البتہ غیر مِلک میں کنواں کھودنے کا گناہ ملے گا۔

تیسری تنبیہ: قتلِ شبیہ بالعمد میں کفارہ اور دیت ادا کرنا

بعض دفعہ مجاھدین مشکوک لوگوں کو پکڑ کر ان سے تحقیق کرتے ہیں، تحقیق میں ان پر سختی کرتے اور مارتے ہیں۔ کبھی کبھی ان پر ابھی جرم ثابت نہیں ہوا ہوتا کہ وہ مر جاتے ہیں۔ شریعت میں اس قسم کے قتل کو شبیہ بالعمد کہتے ہیں۔ اس میں کفارہ اور دیت دونوں لازم ہوتے ہیں۔

اسے قتلِ شبیہ بالعمد اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ اس میں خطاء اور قصد دونوں جمع ہوجاتے ہیں، خطاء یہ ہے کہ قتل کاارادہ نہیں کیا، لہٰذا قتل میں خطاء ہوگیا، اور عمد یہ ہے کہ مقتول کی پٹائی قصداً کی۔

اس میں گناہ بھی ہے اور کفارہ بھی اور ورثاء پر دیت مغلظہ بھی، البتہ قصاص نہیں ہے، اور کفارہ بھی اس شخص پر ہوتا ہے کہ جس نے مارا ہوتا ہے۔ مذکورہ صورت میں دیت مجاھدین کے بیت المال پر آتی ہے کیوں کہ یہ کام مجاھدین کے مشورے اور ترتیب سے ہوا۔

اس میں دیتِ مغلظہ سو اونٹ ہیں جس میں چالیس حاملہ ہوں، یا اس کی جگہ دس ہزار نقدی۔

چوتھی تنبیہ: معاہدے میں قتل نہ کرنا

بعض مجاھدین کسی کے ساتھ معاہدہ کرلیتے ہیں یا کسی کو امن دیتے ہیں لیکن پھر اسے قتل کردیتے ہیں۔ یہ کام شرعاً حرام اور ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ (التوبة: ٤)

"پورا کرو ان سے وعدہ ان کا۔"

بخاری شریف میں عبد اللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

ان رسول الله ﷺ قال من قتل معاهدًا لم يرح رائحة الجنة وان ريحها يوجد من مسيرة اربعين عامًا

"جس نے اس شخص کو قتل کیا کہ جس سے معاہدہ ہوچکا تھا تو وہ جنت کی بو بھی نہیں سونگھے گا، حالاں کہ اس کی بو چالیس سال کی مسافت پر بھی پائی جاتی ہے۔"

معاہد اسے کہتے ہیں کہ جس سے امن کے راستے یا صلح کے راستے یا جزیے کے راستے معاہدہ ہوچکا ہو۔

مسلم شریف اور ترمذی شریف کی حدیث میں آتا ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الغادر ينصب له لوأ يوم القيامة

"عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جو شخص غدر (دھوکہ) کرے تو قیامت کے دن اس کے لیے جھنڈا لگایا جائے گا۔"

غدر اسے کہتے ہیں کہ کسی کو امن دینے کے بعد قتل کردینا۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من امن رجلا علیٰ نفسه فقتله اعطى لوأ الغدر يوم القيامة (رواه شرح السنة والمشكوٰة)

"جس نے کسی کو کو اس کی جان کا امن دیا، پھر اس کو قتل کردیا تو قیامت کے دن اسے غدر (عہد شکنی) کا جھنڈا دیا جائے گا۔"

ایک حدیث میں آتا ہے کہ یہ جھنڈا اس کی عہد شکنی کے مطابق بلند ہوگا۔ (رواہ مسلم و احمد)

مسلم شریف کی دوسری حدیث میں آتا ہے کہ یہ جھنڈا اس کی دُبُر میں لگا ہوگا (تاکہ اس کی خوب رسوائی ہو)۔

ہرمزان کا واقعہ:

جب ہُرمزان گرفتار ہوا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ دھوکے کا انجام کیسا دیکھا اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انجام کیسا دیکھا؟ تو اس نے کہا کہ اے عمر! ہم اور تم جاہلیت میں تھے، اللہ تعالیٰ نہ ہمارے ساتھ تھے اور نہ تمھارے ساتھ تو ہم تم پر غالب تھے۔ جب اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہوگئے تو تم ہم پر غالب ہوگئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ تم جاہلیت میں ہم پر اس لیے غالب تھے کیوں کہ تم میں اتفاق تھا اور ہم میں اتفاق نہیں تھا (اس سے غلبے کے دو اسباب معلوم ہوتے ہیں، ایک اللہ

تعالی کا ساتھ اور دوسرا اتفاق)۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم بار بار وعدہ کیوں توڑتے ہو، اس نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ میرے بیان سے پہلے ہی آپ مجھے مار دیں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ موت سے نہیں ڈرو۔ پھر ہُرمز نے پانی مانگا، جب اسے پانی دیا گیا تو اس کے ہاتھ لرز رہے تھے، کہنے لگا کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ پانی پینے سے پہلے آپ مجھے مار دیں گے، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک تم نے یہ پانی نہ پی لیا ہو اس وقت تک نہ ڈرو، یہ سنتے ہی اس نے پانی گرا دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو تمہیں قتل کروں گا، اس نے کہا کہ آپ نے تو مجھے امن دیا ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین اس نے سچ کہا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا میں ایک ایسے شخص کو امن دوں گا جس نے مجزء رضی اللہ عنہ اور براء رضی اللہ عنہ جیسے قیمتی لوگ شہید کیے ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ نے اس سے کہا کہ لا بأس علیك حتی تخبرني او لا بأس علیك حتی تشربه (یعنی یہ امن دینے کے الفاظ ہیں)۔ دیگر لوگوں نے بھی انس رضی اللہ عنہ والی بات کہی۔

پھر عمر رضی اللہ عنہ نے ہُرمزان سے کہا کہ تم نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے (یعنی دھوکے سے مجھ سے امن حاصل کیا ہے)، پھر کہا کہ تمھارا دھوکہ اس وقت قبول کروں گا کہ جب اسلام قبول کروگے، چناں چہ اس نے اسلام قبول کرلیا۔

البدایة والنهایة اور شرح السیر الکبیر کی ایک روایت میں ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ہرمزان ایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اپنی بات کہو، اس نے کہا کہ زندہ کی بات کروں یا مردہ کی، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زندہ کی باتیں کرو۔ ہرمزان نے کہا کہ جب ہم اور تم جاہلیت میں تھے اور ہمارے اور تمھارے پاس دین نہیں تھا تو ہم تم عربوں کو کتوں جیسا سمجھتے تھے، جب اللہ تعالی نے تمہیں دین سے عزت دی اور اپنے نبی کو تم میں مبعوث کیا تو ہم نے تمھاری تابعداری نہیں کی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ہمارے ہاتھ میں قیدی ہو پھر بھی ایسی باتیں کر رہے ہو، اور اس کو مارنے کا حکم دیا۔

ہرمزان نے کہا کہ کیا آپ کے نبی نے آپ سے یہ کہا ہے کہ قیدی کو امن دینے کے بعد مارا جاسکتا ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ میں نے تمہیں کب امن دیا، اس نے کہا کہ آپ نے مجھ سے کہا کہ زندہ کی بات کرو اور جس شخص کو اپنی جان کا ڈر ہو تو وہ زندہ نہیں ہوتا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالی اسے تباہ کرے، اس نے اپنے لیے امن لے لیا اور مجھے پتہ بھی نہ چلا۔

شرح السیر الکبیر میں کہتے ہیں کہ فهذا دلیل علی التوسع في باب الامان (شرح السیر الکبیر ۲۷۶ جلد ۱ البدایة والنهایه ص ۱۰۰ جلد ۷) (یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امن کے باب میں بہت وسعت ہے۔) یعنی کبھی معمولی معمولی بات پر بھی امن ثابت ہو جاتا ہے اور پھر امن کے بعد مارنا حرام ہے۔

پانچویں تنبیہ: جرگے والوں کو نہ مارنا

کبھی حکومت اور مجاھدین کے درمیان جرگہ یا پیغام رساں یا سفیر ہوتے ہیں، ان لوگوں کو مارنا شریعت میں جائز نہیں ہے۔ شیخ الاسلام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں رسل الاعدأ لا یتعرض لها (دشمن کے سفیروں کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔) اور پھر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دشمنوں کے سفیر آتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں کبھی قتل نہیں کیا۔ ایک دفعہ مسیلمۃ کذاب کے دوہ سفیر آئے، ایک عبد اللہ بن النواحہ اور دوسرا ابن اُثال۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے کیا کہنا ہے؟انہوں نے کہا کہ ہم وہی کہتے ہیں جو مسیلمۃ کہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

لولا ان الرسل لا تقتل لضربت اعناقکما

"اگر ایسا نہ ہوتا کہ سفیر نہیں قتل کیے جاتے تو میں تم دونوں کی گردنیں اُڑا دیتا۔"

ابنِ قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں :

فجرت سنۃٌ الا یقتل رسول (زاد المعاد ص۱۲۴ جلد ۳ ورواہ احمد وابوداؤد)

"شروع سے یہی سنت چلی آرہی ہے کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا۔"

اسی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا پیغمبر ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

لو کنت قاتلا رسولا لقتلتکما (رواہ احمد) (اگر میں سفیروں کو قتل کرتا ہوتا تو تمہیں قتل کردیتا۔)

عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فمضت السنۃ ان الرسول لا یقتل (یہی سنت جاری ہے کہ سفیر کو نہیں قتل کیا جاتا۔)

شرح السیر الکبیر میں کہتے ہیں :

اٰمن من الجانبین ھکذا جری الرسم فی الجاھلیۃ والاسلام فان امر الصلح او القتال لا یلتئم الا بالرسول ولا بد من ان یکون الرسول اٰمنا لیتمکن من اداً الرسالۃ

"سفیر دونوں اطراف سے امن میں ہوتے ہیں، یہ طریقہ جاہلیت میں بھی تھا اور اسلام میں بھی ہے، کیوں کہ صلح (مذاکرات) یا جنگ بغیر سفیر کے نہیں ہوتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ سفیر کو امن حاصل ہو، تاکہ وہ ایک طرف سے دوسری طرف پیغام لے کر جائے۔ (شرح السیر الکبیر ص: ۶۷۲)

اسی طرح امام شوکانی رحمہ اللہ "نیل الاوطار میں کہتے ہیں:

باب ثبوت الامان للکافر اذا کان رسولا (نیل الاوطار ص۱۲۷ جلد ۸)

"یہ باب ہے کافر کے لیے امان کے ثبوت کا جب کہ وہ سفیر ہو۔"

چھٹی تنبیہ: بعض مجاھدین کو آئی ایس آئی کے الزام میں شہید نہ کرنا

بعض مجاہدین پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ان کا آئی ایس آئی سے تعلق ہے، پھر ان کو شہید کردیا جاتا ہے۔ یہ الزام لگا کر مجاہدین کو شہید کرنا بڑا ظلم ہے۔ کیوں کہ اول تو ایسے الزام کی حقیقت نہیں ہوتی، اس کے باوجود شہید کرنا بڑا ظلم ہے، کیوں کہ جہاد میں آئی ایس آئی یا کسی دوسرے کافر سے مدد اور تعاون حاصل کرنا شرعا جائز ہے، اگرچہ بہتر یہ ہے کہ ان زہریلے سانپوں سے خود کو بچا کر رکھا جائے اور ان سے تعاون نہ حاصل کیا جائے، کیوں کہ جہاد جتنا فقر اور غریبی کی حالت میں ہوتا ہے تو اتنا ہی اخلاص ہوتا ہے اور اس کا فائدہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ جہاں افلاس یعنی غریبی ہوتی ہے وہاں اخلاص ہوتا ہے اور جہاں فلوس یعنی پیسے ہوں وہاں خلوص نہیں ہوتا۔

مسلم شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کافر سے کہا تھا کہ ارجع فلن استعین بمشرک (واپس چلے

جاؤ میں مشرک سے مدد نہیں چاہتا)۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں آتا ہے کہ انا لانستعین بمشرک (ہم مشرکین سے مدد نہیں مانگتے)

لیکن اگر پھر بھی آئی ایس آئی یا کسی اور کافر سے تعاون حاصل کیا جائے تو یہ کام شرعا جائز ہے۔

اس پر بعض یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے آئی ایس آئی یا دیگر کافر اپنے اغراض اور مقاصد پورے کرتے ہیں۔ چاہے ان کے اپنے اغراض و مقاصد ہوں پھر بھی ان سے تعاون حاصل کرنا جائز ہے، جیسا کہ روس کے خلاف جہاد میں آئی ایس آئی اور دوسرے کافروں نے تعاون کیا تھا اور اس میں ان کے اپنے اغراض و مقاصد تھے، لیکن پھر بھی وہ جہاد تھا۔

اسی طرح صحابہ کرام نے فارس کے خلاف جہاد کیا تھا حالاں کہ اس میں روم کا فائدہ تھا۔ لہٰذا اگر جہاد میں آپ کے ساتھ کوئی ایسا شخص شامل ہوجائے ج کی نیت صحیح نہ ہوتو پھر بھی آپ کا جہاد صحیح ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں بہت سے منافقین تھے، جیسا کہ قزمان نامی ایک منافق تھا جو کہ اُحد کی جنگ میں شریک تھا اور اس نے آٹھ مشرکوں کو قتل کیا تھا، اور کہتا تھا کہ میں قومی غیرت میں جنگ کر رہاہوں، اللہ کے لیے نہیں کر رہا۔ (زاد المعاد ص۹۷ جلد ۲)

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بخاری شریف میں حدیث آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک آدمی نے پوچھا کہ ایک آدمی غنیمت کے لیے جنگ کرتا ہے، ایک آدمی شہرت کے لیے جنگ کرتا ہے، اور ایک آدمی ریاء کے لیے جنگ کرتا ہے، ان میں سے کون اللہ کی راہ میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس لیےجنگ کرے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو جائے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ جنگ کی پانچ وجوہات ہوتی ہیں:

۱۔ غنیمت کے لیے۔ ۲۔ بہادری دکھانےکے لیے۔ ۳۔ ریاء کے لیے تاکہ لوگ میرا مرتبہ اور مقام پہچان لیں۔

۴۔ قومی غیرت کی وجہ سے۔ ۵۔ غضب اور غصے کی وجہ سے۔ (فتح الباری ص۲۱ جلد ۶)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب مجاھدین کے ساتھ ایسے لوگ ہوں جن کی نیتیں خراب ہوں اور ان کا مقصد اسلام اور جہاد نہ ہو تو پھر بھی مجاھدین کا جہاد صحیح ہے۔

بہر حال کافر، منافق، فاسق و فاجر وغیرہ سے تعاون حاصل کرنا جائز ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے طائف والوں سے تعاون حاصل کیا تھا، لیکن انہوں نے تعاون نہ کیا، پھر جب آپ ﷺ مکہ واپس گئے تو پہلے اخنس بن شریق سے اور پھر سھیل بن عمرو سے پناہ مانگی لیکن انہوں نے پناہ نہ دی، پھر مطعم بن عدی سے پناہ مانگی تو اس نے پناہ دی۔ (الرحیق المختوم ص۴۳۹ ابن ھشام ۸۸ جلد ۲)

اسی طرح ابن دغنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پناہ دی تھی۔ نجاشی بادشاہ نصرانی تھے، انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو حبشہ میں پناہ دی تھی۔

دوسری بات:

جنگ کی دو قسمیں ہیں، ایک ہجومی یعنی اقدامی اور دوسری دفاعی۔ اقدامی جنگ میں کافر سے تعاون لینا جائز نہیں ہے، البتہ اگر

ضرورت ہو اور مجاھدین کا امیر ضرورت سمجھے تو اس میں بھی کافر سے تعاون لیا جاسکتا ہے۔

جبکہ دفاعی جنگ میں کافر بھی شرکت کرسکتا ہے، جیسا کہ یہودی، نصرانی، مجوسی وغیرہ جب اپنی مِلک، مال اور عزت کا دفاع کریں ۔ البتہ اگر یہ لوگ مسلمانوں سے خیانت کریں تو انہیں منع کیا جاسکتا ہے اور تادیب بھی دی جاسکتی ہے۔ آج کل ہماری جنگ چوں کہ دفاعی ہےاس لیے اس میں کافر سے تعاون لینا یا کافر کو شریک کرنا بھی صحیح ہے۔

تیسری بات:

اقدامی جنگ میں جب ضرورت نہ ہو تو کافر سے تعاون نہیں لیا جاسکتا، اور جب ضرورت ہو تو لیا جاسکتا ہے، اس کے لیے علماء نے شرائط بھی ذکر کی ہیں لیکن یہ اس وقت کہ جب ان کی ذات سے تعاون مانگا جائے، اور اگر اسلحے میں یا راستے کی راہنمائی میں یا دیگر تجربوں میں تعاون مانگا جائے تو اس کے لیے کوئی شرط نہیں ہے۔

بہرحال بعض مجاھدین کو اس بنیاد پر بدنام اور قتل کرنا کہ ان کے آئی ایس آئی کے ساتھ تعلقات ہیں، بڑا ظلم ہے۔

ساتویں تنبیہ: سرینڈر لوگوں کو قتل نہ کرنا

بعض لوگ ڈر کی وجہ سے حکومت کے سامنے تسلیم اور سرینڈر ہوجاتے ہیں تاکہ گھر اور کاروبار خراب نہ ہو، گرافتار نہ ہوجائیں۔ حکومت ان سے کہتی ہے کہ آئندہ پاکستان کے خلاف کچھ نہیں کروگے، کسی سے حکومت کہتی ہے پاکستان کے خلاف کسی تحریک سے تعاون اور تعلق نہیں رکھوگے، کسی سے کہتے ہیں کہ پاکستان میں جہاد نہیں کروگے اور افغانستان میں اجازت ہے، کسی سے کہتے ہیں کہ جہاد نہیں کروگے اور مجاھدین سے تعلق نہیں رکھوگے۔ بعض لوگوں کو اس میں قسم اور طلاق بھی دیتے ہیں ۔ بعض لوگ صرف حکومت کے سامنے حاضر ہوجاتے ہیں اور ان سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوتی۔ کسی پر جیل اور جرمانہ مقرر کیا جاتا ہے، کیس پر صرف جیل ہوتی ہے اور کسی پر صرف جرمانہ اور کسی پر کچھ بھی نہیں۔

حکومت کے سامنے سرینڈر اور تسلیم ہونا بہت بڑا گناہ ہے لیکن کفر اور ارتداد نہیں، اس لیے سرینڈر لوگوں کو مارنا جائز نہیں ہے۔

سرینڈر لوگوں کی تین اقسام ہیں:

۱۔ پہلی قسم وہ ہے جو اپنے تسلیم ہونے پر شرمندہ ہوتے ہیں اور دوبارہ مجاھدین کے ساتھ اپنے تعلقات بحال کرکے ان کی خدمت کرتے ہیں۔اس قسم کے لوگ اپنے شرمندہ ہونے اور مجاھدین کی خدمت کی وجہ سے معاف ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

التائب من الذنب کمن لا ذنب له

"گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔"

۲۔ سرینڈر لوگوں کی دوسری قسم وہ ہے جو سرینڈر ہونے کے بعد اپنے گھر بیٹھ جاتے ہیں یا اپنے کاروبار وغیرہ میں لگ جاتے ہیں، جہاد بھی نہیں کرتے اور مجاھدین کی مخالفت بھی نہیں کرتے۔ ایسے لوگ گناہ گار ہیں کیوں کہ ترکِ جہاد بہت بڑا گناہ ہے، قرآن و حدیث میں جہاد کو چھوڑنے پر بہت سے عذاب مذکور ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا

"اگر جہاد کے لیے نہیں نکلو گے تو اللہ تعالی دردناک عذاب دیں گے۔"

۳۔ سرینڈر لوگوں کی تیسری قسم وہ لوگ ہیں جو سرینڈر ہونے کے بعد مجاہدین کے خلاف کام کرتے ہیں، جیسا کہ امن لشکر کے نام پر مجاہدین کے خلاف کمیٹیاں بناتے ہیں، پہرے اور جاسوسیاں وغیرہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ کافر اور مرتد ہیں اور ان کے کفر پر بہت سے دلائل ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ

"جس نے کافروں سے دوستی کری تو وہ بھی کافروں میں سے ہے۔"

یہ بھی کافروں سے بہت بڑی دوستی ہے کہ ان کے لیے لشکر اور کمیٹیاں بنائی جائیں وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے منافقین کے بارے میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (النساء:۹۱)

"اگر منافقین تمھیں ضرر پہچانا نہ چھوڑیں اور تم سے صلح نہ کریں اور اپنے ہاتھ تمھیں ضرر پہنچانے سے نہ رکیں تو ان لوگوں کو پکڑو، قتل کرو جہاں بھی ان کو پاؤ۔ ہم نے تمھارے لیے ان کو مارنے کی واضح دلیل بنادی ہے۔"

یہاں واضح دلیل سے مراد کفار کا ساتھ دینا ہے، یعنی اگر ان کے قتل پر کوئی دلیل مانگے تو اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ یہ کفار کے ساتھی ہیں۔

بہرحال سرینڈر لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔ ہر سرینڈر کو مارنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی نے غلطی سے کسی سرینڈر کو مارا ہو تو وہ قتلِ خطاء کی طرح کفارہ اور دیت دیگا۔

آٹھویں تنبیہ: گرفتاری کے وقت خود کو نہ قتل کرنا

بعض مجاہدین جب یہ سمجھتے ہیں کہ اب پکڑا جاؤں گا اور گرفتار ہوجاؤں گا تو دستی بم یا کسی اور اسلحے سے اپنے آپ کو مار لیتے ہیں، یا بعض مجاہدین جب سمجھتے ہیں کہ دشمن مجھ سے راز معلوم کریں گے جس سے دوسرے مجاہدین کو نقصان پہنچے گا تو اپنے آپ کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس طرح خود کو مارنا قرآن و حدیث میں اور اسلامی تاریخ میں ثابت نہیں ہے، نہ خیر القرون کے دور میں اور نہ ان کے بعد کے ادوار میں، باوجود اس کے کہ اسلامی تاریخ میں بہت سے ایسے واقعات گزرے ہیں کہ جن میں مجاہدین وقتاً فوقتاً گرفتار ہوئے ہیں لیکن کسی نے خود کو قتل نہیں کیا۔ مجاہدین کو چاہیے کہ ایسے موقع پر صبر و برداشت اور تقویٰ اختیار کریں اور راحت اور اللہ تعالی کے فیصلے کا انتظار کریں، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا

"جو کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالی اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا راستہ نکالتے ہیں۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

افضل العبادۃ انتظار الفرج « او کما قال علیہ السلام

"بہترین عبادت راحت اور کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔"

البتہ ایسے وقت میں جھوٹ بولنا اور توریہ کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الحرب خدعۃ (جنگ چال کا نام ہے۔)

کسی اور عمل کو رسول اللہ ﷺ نے چال نہیں فرمایا، نماز و روزے وغیر کو لیکن جہاد کو آپ ﷺ نے چال فرمایا ہے۔ بلکہ ایسے وقت میں جھوٹ بولنا واجب ہے۔ محب اللہ بھاری رحمہ اللہ "مسلم الثبوت" میں فرماتے ہیں:

فان الکذب مثلا یجب لعصمۃ نبی او انقاذ بری

"نبی کو بچانے یا بے گناہ کو چھڑانے کے لیے جھوٹ واجب ہے۔"

اگر مار پیٹ اور تشدد کے ذریعے اس سے راز معلوم کر لیے جائیں تو اسے اس میں کوئی گناہ نہیں ملے گا، کیوں کہ یہ مُکرَہ اور مجبور ہے۔ بہت سے غیرتی مجاھدین ایسے بھی ہیں جن پر بہت سے ظلم کیے جاتے ہیں، انہیں سخت اذیتیں دی جاتی ہیں لیکن پھر بھی ثابت قدم رہتے ہیں اور دشمن کو راز اور مجاھدین کی معلومات نہیں دیتے۔

نویں تنبیہ: مردوں کی لاشوں پر قیدی یا فدیہ نہ لینا

بعض مجاھدین جب حکومت کے فوجیوں کو قتل کرتے ہیں تو ان کی لاشوں کے بدل میں فدیہ (یعنی پیسے) مانگتے ہیں یا ان کے بدلے قیدی آزاد کروانا چاہتے ہیں، یہ کام ناجائز ہے۔ ترمذی شریف میں باب ہے "ماجاء لا تفادی جیفۃ الاسیر"۔ "التحفۃ الاحوذی" میں کہتے ہیں کہ "جیفہ" (بدبودار لاش) کو نہیں بیچا جائے گا اور نہ ہی اس کے ذریعے مال کا تبادلہ کیا جائے گا۔ پھر عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرتے ہیں:

ان المشرکین ارادوا ان یشتروا جسد رجل من المشرکین فابی النبی ﷺ ان یبیعھم ایاہ

"مشرکین نے ارادہ کیا کہ ایک مشرک کی لاش مسلمانوں سے خرید لیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کو بیچنے سے انکار کر دیا۔"

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ نوفل بن عبد اللہ بن مغیرہ کی لاش تھی۔ ابنِ ہشام رحمہ اللہ زہری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ مشرکین نے اس لاش کے بدلے دس ہزار کی پیش کش کی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لا حاجۃ لنا بثمنہ ولا جسدہ (ہمیں نہ اس کے پیسوں کی ضرورت ہے اور نہ اس کے جسم کی۔)

"التحفۃ الاحوذی " میں کہتے ہیں کہ لاش کو بیچنا اور اس کے بدلے پیسے لینا اس لیے جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ مردار ہے اور مردار کسی کی ملکیت نہیں بن سکتا اور نہ ہی اس کا کوئی عوض لینا جائز ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے کہ مردار اور بتوں کے پیسے لینا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح بخاری شریف میں باب آتا ہے "باب طرح جیف المشرکین فی البئر ولا یؤخذ لھم ثمن" (باب اس بارے میں

کہ مشرکین کی لاشیں کنویں میں پھینکنا اور اس کے بدلے مال نہ لینا) اور پھر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے بعض لوگوں کو بددعائیں دی تھیں، اور پھر وہ مشرکین بدر میں قتل ہوئے اور کنوے میں ڈال دیے گئے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لاشیں بیچنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اگر ان کے ورثاء کو معلوم ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے مردوں کی لاشوں کے بدل میں فدیہ قبول کررہے ہیں تو وہ ان لاشوں کو لینے کے لیےوہ بہت سا مال لگادیتے۔

دسویں تنبیہ: مقتولین کے ورثاء کو خبر دینا

بعض لوگ خفیہ طور پر کسی کو قتل کردیتے ہیں اور مقتول کے ورثاء اس سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اس لیے مقتولین کے ورثاء کو ایک مناسب طریقے سے خبر دینی چاہیے کیوں کہ اس مقتول کے قتل سے بہت سے شرعی احکاموں کا تعلق ہوتا ہے۔ اس کی بیوی بیوہ ہوجاتی ہے تو اس کے دوسرے نکاح کا مسئلہ ہے، اس کے بچے یتیم ہوجاتے ہیں، اسی طرح اس کے اموال اور میراث کے مسائل وغیرہ، یہ سب اس کی موت سے متعلق مسائل ہیں۔

گیارہویں تنبیہ: مُثلہ نہ کرنا

مردہ یا زندہ کی صورت بگاڑنے اور اسے رُسوا کرنے کے لیے اس کے اعضاء کاٹنے کو مُثلہ کہتے ہیں[1]۔ بعض لوگ زندوں یا مردوں کا مُثلہ کرتے ہیں، ان کے ناک کان وغیرہ کاٹتے ہیں یا پیٹ چاک کردیتے ہیں۔ مُثلہ اسلام میں حرام ہے ، اور اس کی دلیل ابو داوٗد شریف میں حدیثِ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ہے:

كان رسول الله ﷺ يحثنا على الصدقة وينهانا عن المثلة

"رسول اللہ ﷺ ہمیں صدقے کی ترغیب دیتے اور مُثلے سے منع فرماتے۔"

اسی طرح ابو داوٗد اور ابن ماجہ میں صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ وہ کہتے ہیں:

بعثنا رسول الله ﷺ في سرية فقال سيروا باسم الله وفي سبيل الله قاتلوا من كفر بالله ولا تمثُلوا ولا تغدروا ولا تغلوا ولا تقتلوا وليدا

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں غزوے کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ اللہ تعالی کا نام لے کر اللہ تعالی کے راستے میں ہر اس شخص سے جنگ کرو جو اللہ تعالی کا انکار کرے اور مثلہ نہ کرنا، دھوکہ نہیں کرنا، غنیمت میں خیانت نہیں کرنا اور بچوں کو نہیں مارنا۔ "

اس حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوے کے لیے بھیجتے تو امیر کو وصیتیں کرتے، جن میں سے ایک یہ ہوتی کہ مثلہ نہیں کرنا۔

مسائل

١ ۔ المثلة التشويه بقطع الاعضأ للحی او للميت ۔ معجم لغة الفقهأ ص ۴۰۴ جلد ١ مثل به ای قطع اطرافه و شوه به شامی ص ١٣١ جلد ۴ المثله العقوبة الشنيعة كرض الرأس وقطع الاذن او الانف ۔الموسوعة الفقهية الكويتية ص ١٠٨ جلد ٣٦

پہلا مسئلہ :

فقہاء فرماتے ہیں کہ جب کافر قدرت اور قبضے میں آجائے تو اس کا مثلہ کرنا، ہاتھ پاؤں کاٹنا، آنکھیں نکالنا، پیٹ کاٹنا جائز نہیں ہے [۲]، جیسا کہ جنگ میں اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جاسکتے ہیں اور آنکھیں نکالی جاسکتی ہیں۔

دوسرا مسئلہ :

امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب میں یہ بات وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ جب کفار مسلمانوں کا مثلہ کریں تو پھر کافروں کا مثلہ کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ انہوں نے مثلہ کیا۔

اسی طرح ابن ابی عاصم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الدیات" میں باب ذکر کیا ہے "الکفار اذا مثل بهم" یعنی جب کفار مسلمانوں کا مثلہ کریں تو ان کا بھی مثلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس باب میں انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا ہے :

انما سمل رسول الله ﷺ اعين اولئك لانهم سملوا اعين الرعاء

"نبی ﷺ نے عرنیین کی آنکھوں پر لوہے کی سلاخیں پھروائیں اور ان کی آنکھیں نکالوادیں۔"

بہر حال عرنیین کے واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ مُثلہ جائز ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھیں نکالی تھیں، لیکن اس کا جواب پہلے گزرچکا ہے کہ یہ کام رسول اللہ ﷺ نے انتقاما کیا تھا کیوں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے چرواہوں کی آنکھیں نکالی تھیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ مُثلہ ابتداء میں جائز تھا جیسا کہ عرنیین کے واقعے میں مُثلہ ہے لیکن اس کے بعد منسوخ ہوگیا۔

تیسرا مسئلہ :

بعض علماء کہتے ہیں کہ کافر کا سر کاٹنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ مُثلہ ہے، لیکن احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب کفار اس سے غصہ ہوتے ہوں تو پھر کافر کا سر کاٹنا جائز ہے۔ (در مختار ص ۲۲۵ جلد۳)

احناف کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر کے دن ابو جہل کا سر کاٹ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈال دیا تھا۔

بارہویں تنبیہ: جہاد کے نام پر بے گناہ لوگوں کا مال ہتھیانے سے گریز کرنا

بعض مجاھدین لوگوں کے مال جیسے گاڑی، اسلحے وغیرہ پر قبضے کرتے ہیں اور دلیل یہ ذکر کرتے ہیں کہ اس کی جہاد اور مجاھدین کو ضرورت ہے، اور جب جہاد اور مجاھدین کو ضرورت ہو تو یہ کام جائز ہوتا ہے۔ لیکن اس پر کسی قسم کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ یہ کام چوری اور ڈاکہ ہے، ایسے مجاھدین کو سخت سزا دینی چاہیے۔ جہاد ایک عظیم الشان عبادت ہے، اس کو چوری اور ڈاکے کی کوئی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الا لا يحل مال امرء الا بطيب نفس منه

"خبردار! کسی مسلمان کا مال حلال نہیں ہے مگر اس کے دل کی خوشی سے۔"

۲۔ حاشیہ ابن عابدین ص ۲۲۴ جلد ۳ تبیین الحقائق ص ۲۴۴ جلد۳ جواهر الا کلیل ص ۲۵۴ جلد۱ بحوالہ الموسوعة الفقهية الكويتيه من ص ۱۰۸ جلد ۲۶

رسول اللہ ﷺ کے دور میں مجاھدین کو کھانے پینے کی چیزوں، اسلحے اور سواری کی بہت زیادہ ضرورت تھی، لیکن انہوں نے جھاد کے لیے کسی کے مال پر قبضہ نہیں کیا۔ جنگِ بدر میں اسلحے اور سواری کی بہت کمی تھی، تین سو تیرہ لوگ تھے، ان کے پاس صرف دو گھوڑے اور سات اونٹ تھے، تین لوگ ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے، اسی طرح غزوہ ذات الرقاع میں چھ چھ لوگ ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے۔بخاری شریف میں یہ واقعہ مذکور ہے، ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

خرجنا مع رسول الله ﷺ ونحن ستة نفر بيننا بعير نعتقبه فنقبت اقدامنا ونقبت قدماى وسقطت اظفارى فكنا نلف على ارجلنا الخرق فسميت ذات الرقاع لما كنا نعصب الخرق على ارجلنا

"ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں چھ لوگ ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے، ہم اپنے پاؤں پر کپڑے کے ٹکڑے باندھتے، اسی وجہ سے اسے غزوہ ذات الرقاع کہا جاتا ہے (یعنی وہ غزوہ کہ جس میں صحابہ کرام نے پیروں پر کپڑے کی دھجیاں باندھی ہوئی تھیں)۔"

اسی طرح غزوۂ تبوک میں اٹھارہ اٹھارہ لوگ ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے۔ گرمی بہت زیادہ تھی، سفر بہت لمبا تھا، خرچہ بموجود نہیں تھا، کبھی راستے میں درختوں کے پتے کھاتے یہاں تک کہ ہونٹ پھول گئے تھے، انتہائی پیاس کی وجہ سے اونٹ حلال کرتے (باوجود اس کے کہ اونٹوں کی بہت کمی تھی) اور اس کے پیٹ میں جو پانی ہوتا ہے وہ پیتے۔ اسی وجہ سے اس کو "جیش العسرۃ" کہا جاتا ہے یعنی سختی کا لشکر۔

غرض یہ کہ پہلے جھادوں میں اسلحے اور سامان کی بہت کمی ہوتی تھی لیکن جھاد کے لیے کبھی بے گناہ لوگوں کے مال قبضہ نہیں کیے گئے۔

تیرہویں تنبیہ: بیت المال اور اجتماعی سامان کا خیال رکھنا

بعض مجاھدین بیت المال اور اجتماعی سامان کا خیال نہیں رکھتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالی اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر شرعی ضرورت کے مسلمانوں کے مال فئ میں سے کسی سواری پر سواری کرے، یہاں تک کہ اس سواری کو کمزور کرکے بیت المال میں واپس کردے، اور جو شخص اللہ تعالی اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کے مالِ فئ (یعنی بیت المال) سے کپڑے پہنے یہاں تک کہ جب وہ کپڑا پرانا ہوجائے تو اسے بیت المال میں واپس کردے۔ [3]

جیسا کہ آج کل جس کے پاس بیت المال کی گاڑی، موٹرسائیکل، مشین گن وغیرہ ہوتی ہے اور وہ شرعی ضرورت کے بغیر استعمال کرتا ہے یہاں تک کہ جب وہ پرانی اور بےکار ہوجاتی ہے تو بیت المال کو واپس کردیتے ہیں۔ چناں چہ بیت المال کا سامان شرعی ضرورت کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان رجالا يتخوضون في مال الله بغير حق فلهم النار يوم القيامة (رواه البخاری)

"کچھ لوگ اللہ تعالی کے مال میں ناحق تصرف کرتے ہیں، ان کے لیے آگ ہے قیامت کے دن۔"

٣ ۔ رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ باب قسمۃ الغنائم

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مال ہرا بھرا اور مزیدار ہوتا ہے (یعنی انسان کو اچھا لگتا ہے اور دل اس سے خوش ہوتا ہے، چناں چہ جو انسان اس مال کو حق کے ساتھ (یعنی حلال طریقے سے) حاصل کرے تو اللہ تعالی اس کو اس مال میں برکت عطاء کرتے ہیں، اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے مال میں اپنی خواہش کے مطابق خرچ کرتے ہیں، ان کے لیے قیامت کے دن صرف آگ ہے۔ (رواہ الترمیذی مشکوٰۃ باب قسمۃ الغنائم)

واقعات

عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ کسی سرکاری کام میں مصروف تھے اور سرکاری چراغ جل رہا تھا۔ اسی دوران علی رضی اللہ عنہ ملاقات کے لیے تشریف لے آئے، عمر رضی اللہ عنہ نے چراغ کو بجھادیا، علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ میرے آنے سے آپ نے چراغ کیوں بجھادیا، عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اب تک میں سرکاری کام کررہا تھا تو میرے لیے سرکاری تیل کا استعمال جائز تھا، لیکن اب میں اور تم اپنی باتیں کریں گے اس لیے اب ہمارے لیے یہ بیت المال کا تیل استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے میں نے چراغ بجھادیا۔

ہارون رشید اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کا واقعہ:

سفیان ثوری رحمہ اللہ کی ہارون رشید رحمہ اللہ سے حاکم بننے سے قبل دوستی تھی لیکن جب ہارون رشید حاکم بنے تو سفیان ثوری نے ان سے تعلق ختم کردیا، کیوں کہ وہ بیت المال میں امام رحمہ اللہ کے مزاج کے مطابق احتیاط نہیں کرتے تھے۔

ایک دفعہ ہارون رشید بادشاہ نے ان کو خط بھیجا تو انہوں نے اس خط کو ہاتھ سے نہیں کھولا بلکہ ایک لکڑی کی مدد سے کھولا۔ ہارون رشید نے خط میں ان سے اس بات کا شکوہ کیا تھا کہ آپ نے ہم سے ملاقات کرنا کیوں چھوڑ دی۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ان کو اس خط کا سخت جواب دیا کہ تم بیت المال میں احتیاط نہیں کرتے، قیامت کے دن تم سے اس کی پوچھ ہوگی، اور میں تم سے اس لیے تعلق نہیں رکھتا کیوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم سے تعلق رکھنے کی وجہ سے گرفتار نہ ہوجاؤں۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا ایک عقیدت بھرا واقعہ:

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا کہ ہمارے ایک دوست ایک اسلامی مدرسے میں چلے گئے۔ شام کے وقت مہتمم صاحب نے مدرسے کے خادم سے کہا کہ روشنی کا انتظام کرو، تو اس مہمان نے کہا کہ اگر مہتمم صاحب کا اپنا شخصی تیل ہو تو لے آؤ، اور اگر مدرسے کا تیل ہو تو نہ لانا۔ ان کے ساتھ ایک اور مہمان بیٹھا تھا، وہ بھی ہمارا صحبت یافتہ تھا، اس نے کہا کہ یہ مہمان مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا صحبت یافتہ ہے، کیوں کہ اس قسم کی احتیاط وہیں ہوتی ہے۔اگرچہ اس قسم کی احتیاط کی وجہ سے لوگ ہمیں وہمی کہتے ہیں، لیکن اس قسم کا وہم مبارک ہو۔ (بحوالہ ندأ الجہاد لمولوی سعید الرحمٰن ص ۳۴۷)

چودہویں تنبیہ: ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کرنا

بعض لوگ اپنی خواہش کے مطابق ضرورت سے زیادہ خرچہ کرتے ہیں۔ یہ غلطی اور پچھلی مذکورہ غلطی تقریبا ایک ہی ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

عن بریدۃ عن النبی ﷺ قال من استعملناہ علی عملٍ فرزقناہ رزقًا فما اخذ بعد ذالك فهو غلول (ابوداؤد)

"بریدہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی کو ہم کسی کام پر مقرر

کریں اور اسے ہم وظیفہ بھی دیں، اس کے بعد اگر وہ اپنے خرچے کے علاوہ کچھ لے تو یہ بیت المال میں خیانت ہے۔"

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا:

لا تصیبن شیئًا بغیر اذنی فانه غلول (ترمذی)

"میری اجازت کے بغیر کوئی چیز نہ لینا کیوں کہ یہ غلول ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ امیر کی اجازت کے بغیر کوئی چیز لینا خیانت ہے۔اسی طرح ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ایھا الناس من عُملَ منکم لنا علی عمل فکتمنا منه مخیطًا فما فوقه فھو غال یأتی به یوم القیامة

"اے لوگو! تم میں سے جو شخص ہماری طرف سے کسی کام پر مقرر کردیا جائے (جیسا کہ زکوۃ جمع کرنے پر) اور وہ اس کام میں آمدنی میں سے کوئی سوئی یا اس سے بھی چھوٹی چیز چھپالے تو وہ خیانت کرنے والا قیامت کے دن اس چیز کے ساتھ آئے گا۔"

یعنی امیر کی اجازت کے بغیر قومی آمدن یا بیت المال سے کوئی چیز لینا خیانت ہے، البتہ جب کوئی شخص کسی اجتماعی خدمت میں مصروف ہو تو اس کے اخراجات بیت المال سے ہوں گے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

من کان لنا عاملا فلیکتسب زوجةً فان لم یکن له خادم فلیکتسب خادمًا فان لم یکن له مسکن فلیکتسب مسکنًا (ابوداؤد)

"جس شخص کو ہم کسی جگہ کا حاکم بنائیں (اگر اس کی بیوی نہ ہوتو) اسے چاہیے کہ نکاح کرے، اگر اس کے پاس خادم (غلام یا باندی) نہ ہو تو اسے چاہیے کہ خادم لے لے، اور اگر اس کا گھر نہ ہو تو گھر بنالے۔"

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے لیے حج اور عمرے کے لیے سواری حلال ہے، اور گرمی سردی کے کپڑے حلال ہیں اور میرے بچوں کا رزق۔

واقعات

یوسف علیہ السلام کا واقعہ:

یوسف علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ خزانوں کے ذمہ دار بنا دیے گئے تو بھوک برداشت کرتے اور جو کی روٹی کھاتے۔ کسی نے ان سے کہا کہ آپ خزانے کے ذمہ دار ہیں اور بھوکے رہتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر میں نے پیٹ بھر کر کھایا تو بھوکے لوگ مجھے بھول جائیں گے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ معلومات کرو کہ میں نے بیت المال کا کتنا مال خرچ کیا ہے۔ جب لوگوں نے معلومات کی تو ڈھائی سال میں آٹھ ہزار روپے خرچ کیے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ میری طرف سے اداء کردو، تو لوگوں نے وہ اداء کیے۔

عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

ابو عثمان النھدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے، اون کا جبہ پہنا ہوا تھا جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے، ایک پیوند اس میں لال چمڑے کا تھا۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

عمر رضی اللہ عنہ جب شام کے دورے پر گئے تو ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے گھر گئے ان کے گھر میں ایک لمسی، ایک پرانا مُشک اور ایک پرانا پیالہ تھا، حالاں کہ اس وقت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ شام کے امیر تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ تو انہوں نے ایک ڈبے میں سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نکالے۔ عمر رضی اللہ عنہ روپڑے، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اے امیر المؤمنین اتنی دنیا کافی ہے کہ انسان اس کے ذریعے آرام کی جگہ (یعنی قبر) تک پہنچ سکے۔

حج میں عمر رضی اللہ عنہ کا خرچہ:

عمر رضی اللہ عنہ نے جب حج کیا تو اپنے غلام یرفاء سے پوچھا کہ ہمارا کتنا خرچہ ہوا تو اس نے بتایا کہ اٹھارا (۱۸) اشرفیاں، عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا ویحك اجحفنا بیت مال المسلمین (تیرا ناس ہو ہم نے تو مسلمانوں کے مال کی جڑ اکھاڑ دی۔)

عمر رضی اللہ عنہ کے والی (گورنر) سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

عمر رضی اللہ عنہ جب شام کے دورے میں حمص پہنچے تو لوگوں سے کہا کہ مجھے اس علاقے کے فقراء و مساکین کے نام لکھ کر دو۔ لوگوں نے انہیں ان ناموں میں اس علاقے کے امیر سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کا نام بھی لکھ کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ یہ امیر ہے اور پھر بھی مسکین ہے، لوگوں نے کہا کہ یہ اپنے پاس کچھ نہیں چھوڑتے۔ عمر رضی اللہ عنہ روپڑے اور انہیں ہزار اشرفیاں بھیجیں۔ سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا کہ میرے پاس دنیا آگئی، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا:

ان فقرأ المسلمین یدخلون الجنة قبل اغنیائها باربعین عاما

"غریب مسلمان امیروں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔"

میں اس سے خوش نہیں ہوتا کہ مجھے کوئی پوری دنیا دیدے اور میں پہلے قافلے سے پیچھے رہ جاؤں۔ پھر پوری رات نماز پڑھتے اور روتے رہے اور صبح وہ تمام نقدی مجاھدین کے ایک لشکر کو دے دی۔ ان کی بیوی نے ان سے کہا کہ کچھ تو گھر میں رکھ لیتے، ضرورت بہت زیادہ ہے۔ سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لو اطلعت امرأة من نسأ الجنة الی الارض لملأت الارض من ریح المسك

"اگر جنت کی عورتوں میں سے کوئی زمین میں ظاہر ہوجائے تو پوری زمین مُشک کی خوشبو سے مہک اٹھے۔"

اللہ کی قسم! میں ان بیویوں کے مقابلے میں تمھیں ترجیح نہیں دے سکتا۔ یہ بات سن کر ان کی بیوی چپ ہوگئیں۔

عمر رضی اللہ عنہ کے دوہ والیوں ابو عبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کا واقعہ:

عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو چار سو اشرفیاں بھیجیں اور غلام کو کہا کہ معلومات کرنا کہ وہ اس کا کیا کرتے ہیں۔ اس غلام نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے کہا کہ امیر المؤمنین نے کہا کہ اسے اپنی ضروریات میں خرچ کریں۔ ابوعبیدہ

رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بدل دیں اور ان پر رحم کریں، پھر اپنی باندی کو آواز دے کر بلایا اور اس سے کہا کہ یہ سات اشرفی فلاں کو دے دو اور یہ پانچ فلاں کو دے دو اور اس طرح تمام اشرفیاں ختم کردیں۔

اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ نے چار سو اشرفیاں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجیں، انہوں نے بھی اسی طرح تقسیم کردیں، صرف دو اشرفیاں بچ گئیں، ان کی بیوی نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم بھی مسکین ہیں، تو انہوں نے وہ دو اشرفیاں اپنی بیوی کو دے دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا انھم اخوۃ بعضھم من بعض (یہ بھائی ہیں ایک دوسرے کی طرح۔)

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا واقعہ:

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ایک دفعہ اپنے گھر تشریف لائے، اپنے چھوٹے بچے کے ہاتھ میں سیب دیکھا، اپنی انگلی سے اس کے منہ سے وہ سیب نکال دیا۔ ان کی بیوی یہ دیکھ کر رو پڑیں، عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے کہا کہ اے فاطمہ یہ بیت المال ہے اور ہمارے لیے حلال نہیں ہے، تو ان کی بیوی فاطمہ نے پیسے بھیج کر اپنے بچے کے لیے ایک سیب خریدا۔[۴]

"حسن سلوك" کے مصنف نے ان واقعات کے آخر میں یہ اشعار بھی ذکر کیے ہیں:

فهٰذی صفات القوم زهدا وعفة ونصحا فاين المقتدی بافعالهم

"یہ صفات ہیں ان لوگوں کی زہد و عفت اور نصیحت میں کہاں ہیں وہ جو ان کے کاموں کی اقتداء کریں"

رجال اماتوا اليوم عاجل حظهم ليحيوا بعز دائم فی مآلهم

"یہ ایسے لوگ تھے کہ جنہوں نے اپنے آج کے تیار حصے کو مار دیا تھا تاکہ وہ زندہ ہوجائیں ہمیشہ کی عزت کے ساتھ آئندہ زمانے میں"

يعطر ارجأ المحافل ذكرهم وتفرق اساد الشرى من ظلالهم

"محفلوں کے گوشے خوشبودار کرتے ہیں ان کے ذکر اور ڈرتے ہیں جنگل کے شیر ان کے سائے سے"

فطوبى لراعٍ يقتدی حسن هديهم وويل لوال قد خلا من خلالهم

"سو خوشخبری ہے اس رہبر کے لیے جو ان کی بہترین سیرت کی پیروی کرے اور ہلاکت ہے اس رہبر کے لیے جو ان کی خوبیوں سے خالی ہو"

پندرہویں تنبیہ: ایک دوسرے کو باغی کہنا

بعض لوگ ایک دوسرے کو باغی کہتے ہیں، کبھی ایک نظم اور گروپ والے دوسرے نظم اور گروپ والوں کو باغی کہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو باغی کہنا بہت غلط بات ہے، کیوں کہ باغی کی تعریف فقہاء نے یہ کی ہے:

هم الخارجون من المسلمين عن طاعة الامام الحق بتاويل ولهم شوكة

"یہ وہ مسلمان ہیں جو تاویل کرتے ہوئے برحق امام کی تابعداری سے خروج کرتے ہیں (یعنی اس کی تابعداری سے باہر ہوجاتے

۴ ۔ ہم نے یہ واقعات «حسن سلوک الحافظ دولة الملوك سے نقل کیے ہیں من ۱۴۳ لمحمد بن عبد الكريم الموصلی الشافعی

ہیں) اور ان کے پاس قوت بھی ہو۔"

اس تعریف سے پتہ چلتا ہے کہ باغی اسے کہتے ہیں جو کہ عمومی امیر جسے خلیفہ اور امیر المؤمنین کہتے ہیں، کے خلاف کرے اور اس کی تابعداری سے نکلیں۔ دوسرا یہ کہ وہ تاویل کرتا ہو اور اس کے پاس قوت بھی ہو۔

لہٰذا باغی میں کچھ باتوں کا پایا جانا ضروری ہے:

ا۔ ایک یہ کہ امام یعنی عمومی امیر کی مخالفت کرے اور امام اور خلیفہ اسے کہتے ہیں کہ جس کی بیعت اور امارت پر تمام مسلمان اتفاق کریں اور اس کا حکم تمام مسلمانوں میں نافذ ہو، اگر لوگ اس کی بیعت تو کرلیں لیکن اس کا حکم نافذ نہ ہوتا ہو تو بھی وہ امام نہیں۔

چناں چہ ہمارے وقت کے اُمراء کو امام نہیں کہا جا سکتا، کیوں کہ تمام لوگوں نے ان کی بیعت نہیں کی اور نہ ہی ان کے فیصلے لوگوں پر جاری ہوتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی ان کی مخالفت کرے تو اسے باغی نہیں کہا جاسکتا۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ باغی تاویل کرتا ہو، جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں مانعینِ زکوۃ تاویل کرتے تھے۔

۳۔ تیسری بات یہ کہ باغی کے پاس قوت ہو، یعنی ان کا اپنا نظم اور امیر ہو اور وہ مقابلہ کرسکتے ہوں۔ اس لیے کسی ایک مخالف شخص کو باغی نہیں کہا جاسکتا۔

۴۔ چوتھا یہ کہ وہ اس مخالفت میں ناحق ہوں، اور اگر ان کی مخالفت بر حق ہو، جیسا کہ وہ امیر کے ظلم کے خلاف مخالفت کریں تو انہیں باغی نہیں کہہ سکتے۔ البتہ اگر فتنہ پیدا ہوتا ہو تو انہیں خلاف نہیں کرنا چاہیے بلکہ صبر کرنا چاہیے۔

باغیوں کا حکم یہ ہے کہ وہ گناہ گار ہیں اور کافر نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے امیر کو چاہیے کہ پہلے ان سے بات چیت کرے اور ان سے صلح کی کوشش کرے، اور اگر بات چیت کے ذریعے ان سے صلح نہ ہوتی ہو تو پھر ان سے جنگ کرے۔اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان اِمارت یا مال وغیرہ پر جنگ ہوجائے اور وہ امام (عمومی امیر) کے مقابلے میں خروج نہ کریں تو یہ دونوں ظالم ہیں، ایک دوسرے کو جانی اور مالی نقصان کا تاوان اداء کریں گے۔

اکثر فقہاء کہتے ہیں کہ خوارج باغی ہیں اور اسی طرح وہ لوگ بھی جو امام اور خلیفہ کو زکوۃ نہیں دیتے۔ اسی طرح محاربین بھی باغیوں کے نزدیک ہیں، جنہیں احناف، شوافع اور حنابلہ قطاع الطریق کہتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ باغی تاویل کرنے والا ہوتا ہے اور قطاع الطریق کا مقصد زمین میں فساد پھیلانا ہوتا ہے۔

علامہ صنعانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسلمانوں کی جماعت سے جدا ہوجائے لیکن خروج اور جنگ نہ کرے تو اس کے ساتھ جنگ نہیں کی جائے گی۔[۵] البتہ اگر کوئی کسی کو امیر کہے اور پھر اس کی بات نہ مانے تو اسے عاصی اور نافرمان کہا جائے گا لیکن باغی نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ عاصی اور باغی کے احکام میں فرق ہے۔ لیکن اگر اسے امیر نہ کہے اور اس کی بات نہ مانے تو پھر نہ باغی ہے اور نہ عاصی، کیوں کہ عاصی امیر کے نافرمان کو کہتے ہیں اور اس نے امیر کو امیر نہیں کہا۔

لہٰذا اس مسئلے میں تین صورتیں ہوگئیں، ایک میں باغی ہے، دوسری میں عاصی ہے اور تیسری میں نہ باغی ہے اور نہ

---

۵ ۔ هذا حاصل ما فی الموسوعةالفقهيةالكويتية من ص ۱۳۰ ج ۸ و تحريرالاحكام من ص ۲۳۹ و مجمع الانهار ص۴۵۱ ج ۴ و بدائع الصنائع ص ۴۴۳ ج ۱۵

عاصی۔ چناں چہ ایک دوسرے کو باغی کہنا صحیح نہیں ہے۔





MAKTABA E UMAR